مطبوعاتِ جدیدہ

قصص و مسائل از مولانا عبدالماجد دریابادی، ناشر ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد دکن، حجم ۱۳۲ صفحے، قیمت مجلد عمر

قصص و مسائل مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے دو فاضلانہ و محققانہ مقالات کا مجموعہ ہے، مولانائے محترم کے موجودہ قابلِ قدر علمی مشاغل کی مناسبت سے ان دونوں مقالوں کا موضوع بھی قرآنی مسائل و مباحث ہی ہے جن میں سے ایک "قدیم مسائل جدید روشنی میں" کے عنوان سے رضا اکاڈیمی رام پور میں اور دوسرا "جدید قصص الانبیاء" کے نام سے اسلامیہ کالج پشاور کی مجلس اسلامیات میں پڑھا گیا تھا، یہ دونوں صحیفہ صدق میں باقساط شائع ہو چکے تھے، اب مصنف کی نظرثانی اور ترمیم و اضافہ کے بعد کتابی شکل میں شائع کئے گئے ہیں اول الذکر مقالہ میں بعض قرآنی مسائل و مضامین کا نئی تاریخی تحقیقات سے ثبوت بہم پہنچایا گیا ہے، اس سلسلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابوں، اور ان کے مورخین کی قدیم و جدید تصنیفات میں سے بڑی دیدہ ریزی سے ایسی شہادتیں چن چن کر یکجا کی ہیں، جن سے قرآن مجید کے بیانات کی تائید ہوتی ہے، اور ان کو زمانۂ حال کے عالمانہ طرزِ تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے، دوسرے مقالہ میں حضرت آدمؑ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے حالات نئے اسلوب اور طرز ادا میں بیان کئے گئے ہیں، یہ مسائل و قصص ایسے تھے جنھیں کل تک روشن خیال طبیعتیں قبول کرتے جھجکتی اور زیادہ سے زیادہ ان کی تاویل و تشریح میں گئے بغیر ان پر سے گذر جانا مناسب جانتی تھیں، مولانائے موصوف کی یہ مساعی قابلِ قدر و موجب اجر ہیں، کہ آج اُن کے جذبۂ ایمانی اور زورِ استدلال و طریقۂ ادا سے ان میں کا ہر مسئلہ علمی تحقیق کی میزان پر تلا، اور جچا ہوا، اور دلائل سے مستحکم نظر آتا ہے، امید ہے کہ یہ مجموعہ مقالات خاص و عام میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، اور اس کے شایانِ شان اس کو عام قبولیت حاصل ہوگی،

بلقیس ۔ از جناب صادق الخیری ایم اے، ناشر خاتون کتاب گھر اردو بازار دہلی، حجم ۱۲۶ صفحے، قیمت مجلد عار

جناب صادق الخیری اپنے حسنِ تخیل، سلیقۂ تحریر، اور مختصر افسانہ نگاری میں شان امتیاز حاصل کر چکے ہیں، بلقیس ان کے بیس مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے، جن میں ہندوستانی گھرانوں کے بہت سے معاشرتی مسائل لطیف پیرایہ اور موثر انداز میں پیش کئے گئے ہیں، خصوصاً الیہ افسانوں میں مصنف نے اپنے نامور والد حضرت راشد الخیری کے طرزِ ادا کی خوبیاں بڑی خوبی سے نباہی ہیں، یہ افسانے ممتاز ادبی رسالوں میں چھپ کر مقبول ہو چکے ہیں، امید ہے یہ مجموعہ ذوقِ ادب رکھنے والوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا جائیگا،

اشوک اعظم از سید مہدی جعفری، ناشر ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن، حجم ۵۲ صفحے، قیمت ۸ر

"اشوک اعظم" میں بچوں کے مطالعہ کے لئے قدیم ہندوستان کے اس نامور حکمران کے مختصر سوانح حیات اور تاریخ میں اس کے مقام کو دکھایا گیا ہے، لیکن اشوکِ اعظم و اکبر اعظم کا مقابلہ کر کے یہ کہنا کہ "ایک نے بدھ مت کی تبلیغ کی تو دوسرے نے دینِ الٰہی کا پرچار کیا" ہماری نوجوان مسلمان تعلیم یافتہ مصنف کے ذہن کی عجیب تربیت کو ظاہر کرتا ہے،

نغماتِ شادی از جناب نجم ندوی، حجم ۶۰ صفحے، قیمت ۸ر، پتہ صفیر بک ڈپو مراد پور، بانکی پور، پٹنہ،

جناب نجم ندوی صوبہ بہار کے روشناس شعراء میں ہیں، انھوں نے اپنے بعض احباب کی تقریب شادی کے موقع پر ظریفانہ انداز میں ایک نظم تحفۂ شادی پیش کی تھی، اس پر بعض جوابی نظمیں پھر ان کا جواب الجواب لکھا گیا، ان نظموں اور ان پر تقریظوں کا مجموعہ نغماتِ شادی کے نام سے شائع کیا گیا ہے، جس میں جابجا ادبی چھیڑ چھاڑ میں اور شاعرانہ موشگافیاں بھی ہیں، لیکن ایسی وقتی نظموں کے بجائے اگر موصوف اپنے منتخب کلام کا مجموعہ اربابِ ذوق کی نذر کرتے تو زیادہ مفید ہوتا،

"م"

جلد ۵۴ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۴ء عدد ۴

مضامین

شذرات

حکومتِ الٰہیہ کے جشر اخبار کوثر لاہور نے اپنے یکم ستمبر ۴۴ء کے تیر و نشتر میں ایک نوٹ لکھا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ میں نے اپنے خطبات کا ترجمہ ایک شراب فروش سے روپے لیکر چھپوایا ہے، اور اس تقریب سے میرے ساتھ تمام علماے کرام کو اوس نے موردِ طعن بنایا ہے، جواباً عرض ہے کہ میری نسبت سے یہ واقعہ قطعاً غلط ہے، اور جس نے بھی ایسا لکھا ہے اوس نے صریح جھوٹ کہا ہے، ہاں میری کسی کتاب کا کسی صاحب نے ترجمہ کیا ہے، اور اس کو میرے علم و اطلاع کے بغیر از خود کسی ایسے ذریعۂ آمدنی سے شائع کیا ہے، تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں، نہ دینی اور نہ دنیاوی "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ"،

افسوس کہ ہمارے اخبار نویسوں میں دوسروں کی عزت اُتارنے کا میلان عام طور سے پایا جاتا ہے، "وکفیٰ بالمرء کذباً

ان پیدا ہوئے بالکل ما سمیع، کاش اگر الزام کی اشاعت سے پہلے صاحب معاملہ سے تھوڑی سی تحقیق کر لی جایا کرے، تو بہت کچھ اس قسم کے غلط واقعات کی اشاعت کی روک تھام ہو سکتی ہے،

ہر نکتہ شناس جانتے ہیں کہ ادبی طنزیات کا لکھنا کچھ آسان کام نہیں ہے، اس کے لئے بڑے ستھرے مذاق کی ضرورت ہے اُردو اخبار نویسون مین اس قسم کے کامیاب لکھنے والے دو ہی تین ہین، جناب سالکؔ (انقلاب لاہور) جناب قاضی عبد الغفار صاحب (پیام دکن) اور جناب مولانا عبد الماجد صاحب (صدق لکھنو) طنزیات کا کمال یہ ہے کہ جس پر لکھا جائے، وہ خود بھی مزے لے لیکر پڑھے، طنزیہ نگاری، دشنام طرازی اور افترا پردازی نہیں ہے،

اس طرز نگارش کی صلاحیت فطری ہوتی ہے، وہ نقالی سے نہین آتی ہے، اب یہ حال ہے، کہ اخبار کے مزہ کے لئے اصلاح و تنبیہ کی نیت سے نہین، اکثر اخبارون نے اپنا ایک کالم اس "فن شریف" کے لئے وقف کر رکھا ہے، اور ہر ہفتہ اور بعض ہر روز اپنی بد مذاقی کا نیا ثبوت پیش کرتے رہتے ہیں، اور انشا رخان بیچارہ کی طرح ہر اشاعت کے وقت ڈھونڈتے پھرتے ہین، کہ آج کس کی پگڑی اُتاری جائے، اور کس کو بر سر بازار ننگا کیا جائے، تاکہ اخبار مین نمک مرچ کی چٹ پٹاہٹ ہو، اور خریدارون کے کام و دہن کی لذت کا سامان ہو،

انجمن ترقی اردو نے گذشتہ سال کی روداد چھاپ کر شائع کی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انجمن نے اس سال تقریباً دو لاکھ بنی شائع کین، ملک مین متعدد شاخین قائم کین، دور دراز مقامات مین اردو کی اشاعت کا کام کیا، اور ایک اردو کانفرنس بمقام ناگپور منعقد کی، اور سال حال کے لئے اس کے پاس متعدد ضروری تصانیف تیار اور زیر تحریر ہین، اس کامیابی پر انجمن مذکور مبارکباد کی مستحق ہے،

ناظم انجمن ترقی اردو کی طرف سے ایک اردو یونیورسٹی کی تجویز تمام اخبارون مین شائع ہوئی ہے، تجویز کی اہمیت اور معقولیت اس کی مقتضی ہے، کہ اس کے امکانات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے، میرے خیال مین تو اگر اس کام کے لئے جامعہ ملیہ دہلی کو مرکز بنایا جائے، تو اس خواب کی تعبیر بڑی آسانی سے نکل سکتی ہے، جامعہ نے اپنے مخلص کارکنون کی بدولت ایک کامیاب حیثیت حاصل کر لی ہے، اس کے پاس سرمایہ بھی ہے، اہل علم بھی ہین، کالج بھی ہے، اسکول بھی ہین، ٹریننگ کالج بھی ہے، عمارتین بھی ہین، کتب خانہ بھی ہے، اور اوس کے ہان تمام علوم کی تعلیم اردو میں ہوتی بھی ہے، اور اوس کی سند کو یورپ اور ہندوستان کی بعض یونیورسٹیون نے مان بھی لیا ہے، اور اب خود گورنمنٹ نے بھی اوس کو تسلیم کر لیا ہے، ایسی حالت مین اوس کو اردو یونیورسٹی کی صورت مین ترقی دینا کیا مشکل ہے، دونون ادارون کا مرکز بھی دلی ہی ہے، اس لئے دونون ایک دوسرے کی معاونت سے اس تجویز کی جزئیات پر غور کر سکتے ہین،

مقالات

کتاب العشر والزکوٰۃ

از

سید ریاست علی ندوی

(۳)

کتاب کا چوتھا باب کیف تودی الزکوٰۃ علی الفور او علی التاخیر یعنی زکوٰۃ فوراً ادا کیجائے یا تاخیر دیجائے کے عنوان سے شروع ہوا ہے، اور اوس میں ائمہ حنفیہ کے مسلک کے روسے زکوٰۃ کو بلا تاخیر ادا کرنے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد پانچوان باب "انواع الزکوٰۃ و مبادیہا و مسائلہا" ہے، جس مین زکوٰۃ کی مختلف قسمون سونا، چاندی، کھیتی، اور درختون کی پیداوار، تجارتی اموال اور چرائی پر چرنے والے جانورون کی زکوٰۃ کی فرضیت دکھائی ہے، آخری باب کا عنوان مصارف الزکوٰۃ ہے، اور اسی ضمن مین صدقۂ فطر کا تذکرہ بطور ضمیمہ مندرج ہے،

راقم سطور کے نزدیک ان ابواب مین جو امور محل نظر معلوم ہوئے وہ بہ ترتیب ذیل پیش ہین :-

(۵)

لائق مصنف نے مسلمانان دار الحرب اور زکوٰۃ کے موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اور اس سلسلہ مین "دار الحرب اور زکوٰۃ" "دار الحرب اور عشر" اور "ہندوستان کی زمین کا حکم" کے عنوانات قائم کر کے مباحث پیش کئے ہین، اور بتایا ہے کہ دار الحرب اور دار الاسلام دونون مین یکسان طور پر زکوٰۃ و عشر کے احکام قائم ہین، اور اس ضمن مین مصنف کو فقہ حنفی کے اس مشہور مسئلہ کا کہ "ارضہا لیست ارض خراج او عشر" یعنی دار الحرب کی زمین نہ عشری ہے، نہ خراجی کا رد کرنا پڑا ہے،

لائق مصنف کے نزدیک ہندوستان دار الحرب ہے، اور اوس کے دار الحرب ہونے کے باوجود یہان کی زمینون کے عشری ہونے کے ثبوت مین اونھون نے کتاب الخراج کی بعض عبارتون سے استدلال کیا ہے، لیکن اس موقع پر یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیے تھا، کہ دار الحرب کی مختلف نوعیتون کے لحاظ سے اسکی کئی قسمین قرار پائین گی، اور ان کی مختلف نوعیتون کے لحاظ سے ان کے مختلف احکام ہون گے، مثلاً

۱- دار الحرب کی ایک قسم یہ ہے کہ وہ خالصۃً دار الکفر ہو، اور وہان کلیۃً غیر معاہد کفار کا غلبہ و اقتدار قائم ہو، اور مسلمان وہان سرے سے آباد نہ ہون،

۲- دوسری قسم یہ ہے کہ وہ ابتداءً پہلی قسم کا مقام تھا، وہان کے بعض کفار اسلامی حکومت کے غلبہ سے پہلے اسلام لے آئے، اس کے بعد مسلمانون کو وہان غلبہ و اقتدار حاصل ہوا،

۳- تیسری قسم یہ ہو سکتی ہے، کہ ایک مقام دار الاسلام تھا، لیکن وہان سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور وہ مقام دار الاسلام سے دار الحرب ہو گیا،

یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان اگر دارالحرب ہو تو مذکورۂ بالا قسمون مین سے موخر الذکر تیسری قسم ہی مین سمجھا جائے گا، یعنی یہ دارالاسلام تھا، کفار کے غلبہ و استیلا کے بعد دارالحرب بن گیا، لیکن لائق مصنف نے کتاب الخراج سے جو اقتباسات دارالحرب مین عشر کے وجوب کو ثابت کرنے کے لئے نقل کئے ہین، ان کا تعلق ایسے ملکون سے ہے، جو دارالحرب ہون، اور وہان کے باشندے مسلمان ہوگئے ہون یعنی مذکورۂ بالا تقسیم کے رو سے وہ دوسری قسم کا مقام ہو، چنانچہ کتاب الخراج کی حسب ذیل عبارت سے استشہاد کیا گیا ہے:

فكل ارض اسلم اهلها عليها وهي من ارض العرب او ارض العجم فهي لهم وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حين اسلم عليها اهلها وبمنزلة اليمن (كتاب الخراج ص ۶۳)	ہر وہ زمین جس کے باشندون نے اسلام قبول کر لیا، چاہے وہ عرب کی زمین ہو یا عجم کی، وہ مدینہ منورہ اور یمن کی ان زمینون کی طرح عشری ہوگی جب کہ ان کے باشندون نے اسلام قبول کیا تھا،

اور اس سے حسب ذیل نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ

"حاصل یہ ہو کہ دارالحرب کے مسلمانون کی زمین عشری ہوگی، یہی شرعی حکم ہے" (ص ۱۲۳)

پھر "ہندوستان کی زمین کا حکم" کا عنوان قائم کیا ہے، اور اوس کے بموجب یہان کی زمینون کے عشری ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اس کی وجہ سے فقہا کے اس قول کو کہ "دارالحرب کی زمین عشری ہے، نہ خراجی" یہ کہکر رد کیا ہو کہ

"شامی کا یہ قول بلا سند مذکور ہے، نہ تو کسی امام کی طرف منسوب ہے، نہ اوس کی کوئی دلیل بیان کی گئی ہے"

لائق مصنف کو شامی کے اس قول کے رد کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی، کہ انھون نے ہندوستان کو علی الاطلاق دارالحرب قرار دیا ہے، اور فقہا کے اس قول کو کتاب الخراج کے مندرجات کے منافی قرار دیا ہے، لیکن اس موقع پر ہندوستان کے دارالحرب یا دارالامن یا دارالاسلام ہونے کی کسی حیثیت پر گفتگو کئے بغیر محض اجمالاً یہ کہا جا سکتا ہے، کہ کتاب الخراج کی مذکورۂ بالا عبارت ہندوستان کے حال پر سرے سے منطبق ہی نہیں ہوتی، اس کے تحت مین ایسے ملک آتے ہین جو پہلے دارالحرب تھے، وہان کے باشندے اسلام لے آئے، اور وہ پہلے سے زمین کے مالک تھے، اب وہ زمینین اسلامی لشکر کی فتح کے بعد عشری کی عشری رہین گی، اور وہی ان کے مالک متصور ہون گے، چنانچہ یحییٰ بن آدم قرشی کی کتاب الخراج کی عبارت سے یہ حقیقت زیادہ واضح ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہین،

كل من اسلم من خلق الله قبل القتال فهم احرار مسلمون وارضهم ارض عشر (لانهم اسلموا قبل ان يظهر عليهم المسلمون وقبل ان يجري عليهم الخراج، (ص ۷۰)	اللہ کی مخلوق میں سے جو لوگ جہاد سے پہلے اسلام لے آئے ہون تو وہ مسلمان ہونگے اور ان کی زمین، زمین عشری ہوگی، اس لئے کہ وہ مسلمانون کے غلبہ پانے اور ان پر خراج عائد ہونے سے پہلے ہی اسلام لے آئے

موجودہ ہندوستان کی حیثیت اس سے مختلف ہے، یہ پہلے دارالاسلام تھا، یہان غیر مسلم حکومت کا استیلا ہوا، اور مسلمان یہان جیسے پہلے سے آباد تھے، اپنی جگہ آباد رہے، اس لئے ہمارے خیال میں اگر ہندوستان مین مسلمانون کے موجودہ حالات کا لحاظ کئے بغیر اسکو دارالحرب تسلیم کر لیا جائے، تو اس صورت مین کتاب الخراج کے ان اقتباسون کا اطلاق اس ملک پر نہ ہو سکے گا، بلکہ اس صورت مین فقہ حنفی کے اسی جزیہ کو تسلیم کرنا پڑے گا، کہ "ارضها ليست ارض خراج او عشر" یعنی اوس کی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری، یا پھر وہ عارضی احکام و مسائل سامنے آئین گے، جن کو فقہا نے باب استیلاء الکفار کے تحت مین درج کیا ہے،

اسلام کے اصل اصول کے رو سے اس مقام کے مسلمانون کے لئے جو دارالاسلام سے دارالحرب ہوگیا ہو، صرف دو راستے ہو سکتے ہین یا تو وہ عسکری طاقت کے ذریعہ اس دارالکفر کو نئے سرے سے دارالاسلام بنائین، اور یا ترک سکونت کر کے ہمیشہ کیلئے وہان سے ہجرت کر جائین لیکن اگر وہان کے مسلمان باشندے نہ کامل غلبہ و اقتدار حاصل کر سکے، اور نہ کسی سبب سے مستقل طور پر ترک سکونت کر کے ہجرت کرنے کی سعادت پا سکے، بلکہ اس مقام پر وہ اضطراراً پہلے کی طرح آباد رہ گئے، تو اب وہان ان کے قیام کی دو صورتین قرار پاتی ہین، یا تو وہ وہان بغیر کسی عہد و پیمان اور سیاسی منزلت کے محض حکمران جماعت کے رحم و کرم پر آباد رہ گئے ہون، اور انھین نہ کسی قسم کے حقوق حاصل ہون، اور نہ مذہبی آزادی قائم ہو اور ان کی یہی حیثیت مستقلاً قائم ہو، اور یا کسی عہد و پیمان اور سیاسی منزلت و مرتبت اور ان حقوق کے ساتھ آباد ہون، جو کسی ملک کے حقیقی باشندے کو حاصل ہوتے ہین، نیز ان کی مذہبی آزادی کلیۃً برقرار ہو، یا کسی موقع پر ان کے خیال مین کسی مذہبی آزادی کو خطرہ پیش ہو، اور اس خطرہ کو دور کرنے اور کرانے کا آئینی حق انھین حاصل ہو اگرچہ ملک مین مسلمانون کو حاکمانہ و آمرانہ حیثیت حاصل نہ ہو، اور اس حیثیت سے اسلام کے احکام و قوانین نافذ نہ ہون، لیکن عام شہری حقوق مین حکمران جماعت کے افراد، اور اس ملک کے قدیم مسلمانون کے درمیان آئینی حیثیت سے کوئی فرق و امتیاز قائم نہ ہو اور ملک کے باشندون کے لئے حکومت خود اختیاری کا اصول شاہی اعلان کے ذریعہ تسلیم کیا جا چکا ہو، اور حاکمانہ حقوق بھی بحیثیت شہری باشندے کے انھین کچھ نہ کچھ حاصل ہون، یا حاصل ہوتے رہین، تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس مقام اور اس کے باشندون کے لئے ان مختلف حالات کے لحاظ سے اسلام کے احکام مختلف ہون گے،

اب یہ اس ملک کے علماء کا فرض ہے، کہ ان کے حالات اور ان کی نوعیتون کے اختلاف کے لحاظ سے ان کے متعلق اسلامی احکام کو ترتیب دین، اور اسی کے بموجب اس ملک کے باشندون کو زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرین،

ہندوستان پر انگریزون کے تسلط کے وقت سے اس وقت تک مختلف دورون مین اکابر علما نے ہندوستان کے دارالحرب یا دارالاسلام ہونے کے متعلق اپنے فتوے دیئے ہین، بلاشبہہ یہ صحیح ہے، کہ دور اول کے اکابر علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا، لیکن اس کے ساتھ اونھون نے یہان سے ہجرت کرنے کا بھی فتوی دیا تھا، اور اسی کے مطابق یہان سے بڑے بڑے علماء و مشائخ نے خود ہجرت کی تھی،

مگر ہندوستان مین انگریزی حکومت کے جو مختلف دور گذرے ہین، ان کی مختلف نوعیتون کا لحاظ کرنا شاید اس موقع پر ہماری رہنمائی کے لئے کچھ مفید ہو، انگریزی حکومت کا ایک دور ملکہ وکٹوریہ سے پہلے کا تھا، دوسرا ملکہ وکٹوریہ سے شروع ہو کر سیاسی اصلاحات کے نفاذ تک ہے، اور تیسرا سیاسی اصلاحات کے نفاذ سے دور حاضر تک کا زمانہ ہے، ان دورون مین سے اولاً اس تسلط حکومت کے غلبہ و استیلاء کو مٹانے کی کوشش خواہ منظم خواہ غیر منظم طریق پر کی گئی، اور یہ تحریک ایک سے زیادہ مرتبہ اٹھی، اور ناکام رہنمون پر ختم ہوئی، اوس کے بعد یہان سے ہجرت کرنے کا فتوی صادر ہوا، اور بہت سے دیندار مسلمانون نے ہجرت کی۔ دوسری طرف اسی زمانہ مین کچھ علما نے اس کے دارالحرب نہ ہونے کا فتوی دیا، اور یہان مسلمانون کی بود و باش قائم رہی، اب جب کہ ہم نے یہان سے ہجرت کرنے کے بجائے پہلے کی طرح اپنی مستقل سکونت قائم رکھی، پھر اپنی شرعی تنظیم کیلئے امارت شرعیہ قائم کر چکے، اور تسلط حکومت سے مجلس قضا کے قیام کیلئے بار بار ذمہ دارانہ گفتگو مین کر چکے، شریعت بل، زکوٰۃ بل، اور وقف بل وغیرہ ہم آئینی مجالس مین پیش کر چکے، سیاسی اصلاحات کے ذریعہ سیاسی اقتدار اور ملکی نظم و نسق کے اختیارات بھی بحیثیت مستقل باشندۂ ہند کے بہت یا کم ہمارے ہاتھون مین منتقل ہو چکے ہین، تو ان حالات مین ہمارے علماء کرام کو اس ملک کو علی الاطلاق دارالحرب ماننے پر نئے سرے سے غور فرمانے کی ضرورت ہے، خصوصاً امارت شرعیہ کے کارکنون کو اون

دلائل پر خاص طور پر متوجہ ہونے کی ضرورت تھی، جن کو دور حاضر کے بعض اکابر علماء نے پیش فرمایا ہے، اور ان کے مسالک کے رو سے ہندوستان کے کم سے کم دار الحرب نہ ہونے کا فیصلہ سامنے آجاتا ہے، تحذیر الاخوان عن الربوا فی الهندوستان (مولفہ مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ) مین اس سلسلہ مین جو دلائل مندرج ہین، وہ زیادہ قرین صواب ہین، اگر اس نقطۂ نظر کو قبول کر لیا جائے، تو ہندوستان کو دار الحرب کے بجائے کم سے کم دار الامن ماننے مین زیر بحث مسئلہ عشر اور ایسے ہی بہت سے مسائل مین فقہاء کے فتوون کے رد یا ان کی تاویل کی ضرورت پیش نہ آئے گی جس راہ کو ہمارے لائق مصنف نے اختیار فرمایا ہے،

(۶)

مصنف نے زکوٰۃ کی فرضیت دار الحرب اور دار الاسلام مین یکسان دکھا کر ہندوستان کے مسلمانون کی زمینون کے عشری وخراجی ہونے کی مختلف شکلین قائم کی ہین، اور خراجی وعشری زمینون کی تعیین کرکے دکھایا ہے، کہ عشری زمینون پر مسلمانون کو عشر ادا کرنا چاہئے اور خراجی زمینون پر عشر واجب الادا نہین ہے، لیکن مسئلہ کو اصولی طور پر بیان کرنے کے بعد انھون نے مسلمانون کو بہ تقاضائے احتیاط مشورہ دیا ہے کہ

"مسلمانون کو احتیاط کے مسلک پر تمام زمینون کی پیداوار مین عشر نکالنا چاہئے" (ص ۱۲۸)

پھر فرماتے ہین :-

"دیگر ائمہ کے نزدیک مسلمان کی ہر زمین کی پیداوار مین عشر واجب ہے...... اور اسی لئے جہان پر اپنے امام کے مسلک سے عملاً منافات نہ ہو، اور احتیاط کی راہ اختیار کی جائے، تو بہتر ہے، کیونکہ ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنا گناہ نہین ہے، (ص ۱۳۰)

مصنف کا یہ ارشاد صحیح ہے، کہ "ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار کا عشر نکالنا گناہ نہین ہے" لیکن اس شکل کے اس طور پر اختیار کرنے مین عملاً "منافات" کا پایا جانا ضرور ہے، کسی مسلک کے اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے مین عمومیت کے ساتھ یہ نقطۂ نظر قبول کرین کہ چونکہ گناہ نہین ہے، اس لئے قابل عمل ہے، صحیح نہ ہوگا، ایسی صورت مین بہت سے مسائل مین احتیاط کی راہ سے مختلف قسم کے جزئیات سامنے آجائین گے، اور پھر کسی ایک مذہب کی پیروی کی تعیین فی نفسہ دشوار ہو جائے گی، اس لئے احتیاطی پہلوؤن کو اختیار کرنے مین بھی حدود وقیود یا ان کے غیر معمولی داعیہ کے وجود کو قائم رکھنا ضروری ہے، زیر بحث مسئلہ کی حیثیت ان مسائل سے جداگانہ ہے، جن مین مذہب حنفی سے قطع نظر کرکے کسی اہم شرعی وملی داعیہ کے باعث کسی اور مذہب کے مسلک کو اختیار کیا جاتا ہے، یا بہ نظر احتیاط فقہ حنفی کے عطا کئے ہوئے جوازت فائدہ اٹھانے سے باز رہا جاتا ہے، اس مسئلہ مین امام اعظم علیہ الرحمۃ اور دوسرے ائمہ کرام مین بنیادی اختلاف ہے، ابن ہبیرہ حنبلی متوفی ۵۶۰ھ نے مذاہب فقہ کے متفق علیہ ومختلف فیہ مسائل کو کتاب الافصاح عن معانی الصحاح مین یکجا کیا ہے، اس مسئلہ مین لکھتے ہین،

واختلفوا هل يجتمع العشر والخراج فقال ابو حنيفة ليس في الخارج من ارض الخراج عشر وقال مالك والشافعي واحمد ارض الخراج فيها العشر (صفحہ ۹)

اور لوگون نے اختلاف کیا ہے، کہ آیا عشر اور خراج یکجا ہو سکتے ہین، ؟ تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہین، کہ خراجی زمین مین خراج ادا کرنے والے پر عشر نہین ہے، اور امام مالک، شافعی واحمد فرماتے ہین، کہ خراجی زمین مین بھی عشر ہے،

امام اعظم کے مسلک کے رو سے کسی ایک زمین مین عشر وخراج کا اجتماع سرے سے ممکن نہین، امام اعظم سے روایت ہے

(ابو حنيفة) عن حماد عن ابراهيم لا يجمع على مسلم عشر وخراج في ارض، (عقود الجواهر المنيفة ج ۱ ص ۱۱۴)

امام ابو حنیفہ نے حماد سے اور انھون نے ابراہیم سے روایت کی کہ کسی مسلمان پر اس کی ایک زمین مین عشر وخراج جمع نہین ہو سکتے،

ماوردی لکھتے ہین :-

اخذ منه عند الشافعي عشر الزرع مع خراج الارض ومنع ابو حنيفة من الجمع بينهما، (الاحكام السلطانيه ص ۱۰۰)

اسی سے امام شافعی دلیل لائے ہین، کہ زمین کے خراج کے ساتھ بھی زراعت مین عشر ہے، اور امام ابو حنیفہ نے ان دونون (خراج وعشر) کو جمع کرنے کو منع کیا ہے،

اسی طرح فقہ کی عام کتابون مین تصریحات ہین، اور اسی بنیاد پر بعض دوسرے مسائل نکلتے ہین، اس لئے اگرچہ خراجی زمین مین بھی عشر ادا کرنا ائمہ احناف کے یہان گناہ نہین، مگر ممنوع ضرور ہے، اس لئے عملاً "منافات" کا پایا جانا ضروری ہو جاتا ہے، کسی امر کے واجب نہ ہونے اور "ممنوع" ہونے مین بھی ایک فرق ہے، اسلئے خراجی زمینون کے عشر ادا کرنے کی تلقین کرنا فقہ حنفی کے رو سے روا نہین سمجھا جا سکتا، البتہ یون کہہ سکتے تھے، کہ بقدر عشر بطور تبرع وصدقہ خراجی زمینون کی پیداوار بھی مستحقین مین تقسیم کرنے کے لئے نکالی جائے، تو موجب اجر وثواب ہے، لیکن در اصل اس کی بھی ضرورت نہین، ہندوستان کی زمینون کے عشری وغیر عشری ہونے کی تحقیق کے سلسلہ مین حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے کمال اختصار وجامعیت سے عشری وخراجی ہونے کی تعیین فرمائی ہے وہ اس موقع پر نقل کئے جانے لائق ہے :-

"جو زمینین اس وقت مسلمانون کی ملک مین ہین، اور ان کے پاس مسلمانون ہی سے پہنچی ہین، ارثاً او شراءً وھلم جرا وہ زمینین عشری ہین، اور جو درمیان مین کوئی کافر مالک ہو گیا تھا، وہ عشری نہ رہی، اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانون کے پاس ہے، یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے، بدلیل الاستصحاب پس وہ عشری ہوگی، وتقدر العشر معروف (تتمہ امداد الفتاوی ص ۵۰)

اس مختصر اصول سے ہر شخص اپنی زمین اور کاشت کے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے، کہ اس مین عشر واجب الادا ہے یا نہین اس لئے کسی احتیاط کی راہ کے اختیار کرنے کا سوال سرے سے پیدا ہی نہین ہوتا،

(۷)

اس کے بعد کتاب مین زکوٰۃ کی قسمون کا بیان شروع ہوا ہے، اور عشر کے مسائل واحکام کا ذکر اسی سلسلہ مین تفصیل سے آیا ہے، چنانچہ اولاً عشری وخراجی زمینون کا فرق دکھایا ہے، پھر عشری کے خراجی اور خراجی کے عشری ہو جانے کی صورت اور ان کے مسائل درج کئے ہین، اس سلسلہ مین لائق مصنف نے ایک شکل یہ بھی لکھی ہے کہ

"جو کھیت بٹائی پر ہو، یعنی جو پیداوار زمین مالک اور کاشتکار کے درمیان تقسیم ہوتی ہے، عام ازین کہ نصفا نصف ہو یا کمی بیشی کے ساتھ تو ایسی صورت مین ہر ایک کو اپنے اپنے حصہ کا عشر نکالنا چاہئے یعنی جتنے غلہ کا مالک ہو وہ اسی قدر عشر ادا کرے کیونکہ عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے، اور پیداوار دونون کے درمیان مشترک ہے اسی لئے دونون پر عشر واجب ہے، یہ صاحبین کا مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے" (صفحہ ۱۵۱)

مذکورۂ بالا عبارت جس طور پر لکھی گئی ہے، اس سے راقم سطور کو یہ شبہہ ہوا کہ اس عمومیت میں وہ زمینیں بھی داخل ہوتی ہیں، جو عموماً بہار میں بٹائی پر کاشتکاروں کے پاس ہوتی ہیں، اور اصطلاحاً بھاولی کہی جاتی ہیں، جن کی پیداوار پہلے نصف نصف مالک اور کاشتکاروں میں تقسیم ہوتی تھی، اور اب کمی بیشی یعنی ۱۰، ۲۲ کے بموجب تقسیم ہوتی ہے، اس لئے راقم سطور نے لائق مصنف کو توجہ دلائی کہ

"صفحہ ۵۰ نمبر ۳ میں بٹائی کھیت کا جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ بہار میں بند وبست استمراری کے ساتھ بٹائی کے جو کھیت ہیں، ان میں آپ زمیندار اور کاشتکار (مسلم) دونوں پر عشر واجب کرتے ہیں، دوسری طرف آپ معارف کے مضمون میں ان زمینوں کو کاشتکار کی ملکیت میں دکھا چکے ہیں، اس طور سے بٹائی کی ایک زمین میں زمیندار پر اس حالت کے باوجود عشر واجب کر رہے ہیں، کہ نہ اس میں اس نے کاشت کی، اور نہ کاشت کرنے کا حق رکھتا ہے، اور نہ وہ بقول آپ کے اس زمین کا مالک ہے"

لائق اور محترم مصنف نے اس عریضہ کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا، اس سے کتاب کی اس عبارت کی توضیح ہو جاتی ہے اس لئے یہ حصہ بھی لائق اشاعت ہے، فرماتے ہیں :-

"...... اس میں لفظ "مالک" سے دھوکا ہوا ہے، میرے نزدیک مالک زمین رعایا ہی ہے، زمیندار نہیں، اس لئے یہاں بھی مالک زمین سے مراد رعایا (کسان) ہی ہے، زمیندار نہیں ہے، اور مقصود یہ ہے کہ بہار میں رعایا (کسان) جو حقیقی زمین کو بٹائی دار کو بٹائی پر دیدیتے ہیں، اس کا یہ حکم ہے"

یعنی مقصود "کاشتکار" اور "شکمی کاشتکار" ہیں، اس لئے یہاں اس عبارت میں "مالک اور کاشتکار" کے بجائے "کاشتکار و شکمی کاشتکار" اور "خود کاشت زمین کا زمیندار" اور "شکمی کاشتکار" یا "بٹائی دار" کی اصطلاحیں ہونی چاہئیں،

(۸)

مصنف نے سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے جو مسائل لکھے ہیں، ان میں حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی علیہ الرحمۃ کے فتوی کے بموجب چاندی کا نصاب صرف ۳۶ تولہ ۵ ماشہ ۴ رتی قرار دیا ہے، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے اپنی تقریظ میں اس سے اختلاف کیا ہے، لائق مصنف نے اس تقریظ پر ایک تعلیق درج کر کے جواب دینا چاہا ہے، لیکن کم سے کم اس مسئلہ کو متفق علیہ شکل میں سامنے آنا چاہئے تھا، خوشی کی بات ہے کہ مصنف نے اپنے مکتوب کے ذریعہ طبع ثانی میں اس کو درست کرنے کا قصد ظاہر کیا ہے، اسی سلسلہ میں ابھی حال میں مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا ایک رسالہ "ادرج الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل یعنی مقادیر شرعیہ و اوزان ہندیہ" سے موسوم شائع ہوا ہے، اس موضوع پر اس رسالہ کے مندرجات جامع اور تشفی بخش ہیں، اس میں قدیم علمائے ہند کی تحقیقات پر جامعیت سے نظر ڈال کر بدلائل صحیح نتائج اس طور پر اخذ کئے گئے ہیں، کہ یہ جمہور علمائے ہند کا مسلک قرار پاتا ہے، اس کی رو سے چاندی کا نصاب ۵۲ تولہ ۶ ماشہ، اور رائج الوقت ساڑھے گیارہ ماشے کے (نقرئی) روپیہ سے ۵۴ روپیہ ۱۲ آنہ ۶ پائی نصاب زکوٰۃ قرار پاتا ہے، ضرورت ہے کہ طبع ثانی کے وقت اس رسالہ کو سامنے رکھا جائے،

(۹)

معارف زکوٰۃ کے ضمن میں بطور ضمیمہ صدقۂ فطر کا تذکرہ بھی آیا ہے، فرماتے ہیں :-

"کافروں کو...... صدقۂ فطر کا مال دینا جائز نہیں، (صفحہ ۱۰۲)

اس عدم جواز کے فتوی پر لائق مصنف کو توجہ دلائی گئی، کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ زکوٰۃ و فطرہ میں اگر فرق ہے تو یہی کہ وہ کافروں کو نہیں دیجا سکتی، اور یہ کافروں کو دیا جا سکتا ہے، اس کے جواب میں موصوف نے تفصیل سے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا، وہ فرماتے ہیں :-

"اس کے متعلق عرض یہ ہے، کہ اس فرق کی تصریح فقہ میں ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے، قاضی خان میں ہے :

"ویجوز ان یعطی فقراء اھل الذمۃ ویکرہ ولا یجوز صرفہا الی المستامن

ذمی فقیروں کو دینا جائز ہے، لیکن مکروہ ہے، اور مستامن پر صرف کرنا جائز نہیں،

مگر یہ جواز بھی مفتی بہ نہیں ہے، شامی میں اس کی تصریح ہے، اس قول کے ماتحت کہ زکوٰۃ ذمی کو نہیں دیجا سکتی ہے مگر صدقۂ فطر دیا جا سکتا ہے، لکھتے ہیں،

قولہ الا فی جواز الدفع الی الذمی (فی الخانیۃ) جاز ویکرہ وعند الشافعی واحد الروایتین عن ابی یوسف لا یجوز (تاتارخانیہ) وقدم علی الحاوی ان الفتوی علی قول ابی یوسف ومر الکلام فیہ،

مصنف کا یہ کہنا کہ ذمی کو دینا جائز ہے، خانیہ میں جائز کہا ہے، اور مکروہ ہے، اور شافعی کے نزدیک اور امام ابو یوسف سے ایک روایت میں ہے، کہ ناجائز ہے، (تاتارخانیہ) اور الحاوی سے اوپر مذکور ہوا کہ فتوی ابو یوسف کے قول پر ہے، اور اس پر گفتگو پہلے ہو چکی

شامی نے جو یہاں مر الکلام فیہ لکھا ہے، وہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے، کہ آپنے کیا کلام فرمایا ہے، مصارف زکوٰۃ کی بحث میں درمختار میں یہ عبارت ہے :-

ولا تدفع الی ذمی لحدیث معاذ وجاز دفع غیرھا وغیر العشر والخراج الیہ ای الذمی ولو واجبا کنذر وکفارۃ وفطرۃ، خلافا للثانی وبقولہ یفتی لحاوی القدسی واما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لا یجوز لہ اتفاقا،

اور (زکوٰۃ) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے ذمی کو نہیں دیجائیگی، اور زکوٰۃ کے علاوہ اور عشر و خراج کے ماسوا اس کو دینا جائز ہے، اگرچہ وہ صدقہ واجبہ مثل نذر و کفارہ و فطرہ کے ہو بخلاف امام ابو یوسف کے، اور انہی کے قول پر حاوی القدسی نے فتوی دیا ہے، لیکن حربی خواہ مستامن ہو تو بہ اتفاق اس کو تمام صدقات کا دینا ناجائز ہے،

اب بقولہ یفتی پر شامی کا کلام یہ ہے،

قولہ (وبقولہ یفتی) الذی فی حاشیۃ الخیر الرملی عن الحاوی وبقولہ ناخذ قلت لکن کلام الھدایۃ وغیرھا یفید ترجیح قولھما وعلیہ المتون انتھی،

اور ان کا قول کہ (انہی کے قول پر فتوی دیا) جیسا کہ حاشیہ خیر رملی میں حاوی سے منقول ہے، کہ انہی کے قول کو ہم لیتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ مگر ہدایہ وغیرہ سے ان دونوں (امام ابوحنیفہ و امام محمد) کے قول کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، اور متون کی بنیاد اسی پر قائم ہے،

یعنی متون میں جواز ہے، حالانکہ یہ مفتی بہ قول نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ صرف امام صاحب کا یہ خیال ہے، ورنہ حنفی
غیر حنفی سب کا متفق علیہ مسئلہ ہے،

واما لمن تصرف فاجمعوا علی انھا تصرف لفقراء المسلمین بقولہ علیہ السلام اغنوھم عن السؤال فی ھذا الیوم واختلفوا ھل تجوز لفقراء الذمۃ، والجمھور علی انھا لا تجوز لھم وقال ابو حنیفۃ تجوز لھم

(بدایۃ لابن رشد)

اور (صدقۂ فطر) کس پر صرف کیا جائے تو لوگوں نے اجماع کیا ہے کہ وہ مسلمان فقیروں کو دیا جائے گا، اس لئے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ آج کے دن انھیں سوال سے مستغنی کر دو، اور لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے، کہ کیا ذمی فقیروں کو دینا جائز ہے، تو جمہور اس پر ہیں کہ ان کو دینا جائز نہیں، اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ

امام صاحب کا یہ قول حنفیہ کے ہاں بھی مفتی بہ نہیں ہے، بلکہ مفتی بہ قول امام ابو یوسف کا ہے، اور وہ لا تجوز یعنی عدم جواز کے قائل ہیں، اور اس پر اجماع مسلمین ہے۔"

ہمارے خیال میں مذکورۂ بالا اقتباسوں سے لائق مصنف کا مدعا حاصل نہیں ہوتا، یہ صحیح ہے کہ قاضی جمال الدین احمد غزنوی نے الحاوی القدسی میں امام ابو یوسف کے مسلک کے مطابق فتوٰی دیا ہے، جیسا کہ الخیر الرملی نے اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے، لیکن مصنف نے شامی کی عبارت سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، ہمارے خیال میں مزید توجہ کا محتاج ہے،

اس موقع پر شامی کا فحوائے کلام یہ ہے کہ الحاوی القدسی میں امام ابو یوسف کا مسلک قبول کیا گیا ہے، جیسا کہ خیر رملی نے اپنے حاشیہ میں نقل کیا ہے، لیکن پھر علامہ شامی اپنا راجح قول یہ درج فرماتے ہیں،

قلت لکن کلام الھدایۃ وغیرھا یفید ترجیح قولھما وعلیہ المتون انتھی،

میں کہتا ہوں کہ مگر ہدایہ وغیرہ میں طرفین کے قول کو مرجح کیا گیا ہے، اور متن کی کتابوں میں اسی پر فتوٰی ہے،

ہمارے خیال میں شامی کی یہی عبارت اس مسئلہ کے فقہ حنفی میں مفتی بہ ہونے پر شاہد ہے، یعنی فقہ حنفی کا مفتی بہ قول وہ ہے جس کو ہدایہ اور دوسری کتابوں میں لکھا گیا ہے، اور جس پر متن کی عبارتیں دال ہیں، باقی الحاوی القدسی کا مسلک اس باب میں منفرد ہے، بجز اس کے فقہائے احناف میں سے کسی نے بھی اس کو قبول نہیں کیا ہے،

اسی طرح لائق مصنف نے بدایۃ المجتہد سے جو اقتباس پیش کیا ہے، وہ بھی تشریح طلب ہے، یہ معلوم ہے کہ علامہ ابن رشد کے فتوے اپنے اندر مجتہدانہ شان رکھتے ہیں، وہ خود مالکی المذہب تھے، اور بقول ابن فرحون ان پر روایت کی بہ نسبت درایت کا غلبہ تھا (دیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب ص ۲۸۰)

ان کی اس تصنیف بدایۃ المجتہد سے بھی ان کی مجتہدانہ شان نمایاں ہے، اس میں انھوں نے مختلف مذاہب فقہ کے متفق علیہ و مختلف فیہ مسائل کو اختصار کے ساتھ مع دلائل یکجا کیا ہے، لائق مصنف نے ابن رشد کے لفظ "جمہور" سے جو یہ نتیجہ اخذ کیا ہے "حنفی و غیر حنفی سب کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے .... اور اس پر اجماع مسلمین ہے" صحیح نہیں ہے، بلکہ علامہ ابن رشد نے جمہور سے مراد عام فقہائے اسلام کو لیا ہے جن میں زیادہ تر غیر حنفی فقہا ہیں اور فقہائے احناف کی ترجمانی انھوں نے اس فقرہ میں کی ہے

ف مصنف کی پیش کی ہوئی عربی عبارتوں کے اردو ترجمہ کی ذمہ داری مقالہ نگار پر ہے۔ "ر"

قال ابو حنیفۃ تجوز لھم،

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے اُن کے لئے،

پھر وہ آگے چل کر لکھتے ہیں :-

وسبب اختلافھم ھل سبب جوازھا ھو الفقر فقط او الفقر والاسلام معا فمن قال الفقر والاسلام لم یجزھا للذمیین ومن قال الفقر فقط اجازھا لھم واشترط قوم فی اھل الذمۃ الذین تجوز لھم ان یکونوا رھبانا،

اور فقہا کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس کے جائز ہونے کی وجہ صرف فقر ہے، یا نا داری اور اسلام دونوں ہیں، تو جنھوں نے جواز کے لئے فقر و اسلام دونوں کو ضروری سمجھا، تو انھوں نے ذمیوں کے لئے اسکو جائز نہیں کیا، اور جنھوں نے صرف فقر کو سبب گردانا، انھوں نے ذمیوں کے لئے اس کو جائز کیا، اور ایک جماعت نے ذمیوں میں بھی تخصیص کی ہے، یعنی

اس کے بعد اس سلسلہ میں "اجماع مسلمین" کی حیثیت سے جس مسئلہ کو انھوں نے لکھا ہے، وہ حسب ذیل ہے :-

واجمع المسلمون علی ان زکوٰۃ الاموال لا تجوز لاھل الذمۃ لقولہ علیہ السلام صدقۃ توخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم (بدایۃ المجتہد ج ۱ صفحہ ۲۵۶)

مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقمیں اہل ذمہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے مطابق دینا جائز نہیں، کہ وہ امیروں سے لیجائے گی، اور فقیروں کو لوٹائی جائے گی،

اس طرح ابن رشد نے ان تصریحات میں ایک طرف فقہائے احناف کو رکھا ہے اور دوسری طرف دیگر فقہاء کو، اور چونکہ ادھر اکثریت ہے اس لئے انھوں نے ان کو "جمہور" کے لقب سے یاد کیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مذہب حنفی میں مفتی بہ مسلک طرفین یعنی امام ابو حنیفہ و امام محمد ہی کا ہے، اور امام ابو یوسف سے بھی دو روایتیں منقول ہیں جن میں سے ایک ان کی تائید میں ہے، یہی بیشتر کتب فقہ میں منقول ہے، اگر اس کے خلاف کوئی منفرد فتوی نقل کیا گیا ہے، تو فقہا نے جمہور فقہائے احناف کے مسلک کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے، چنانچہ بحر الرائق میں ہے،

وفی الوالوالجیۃ وصدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف الی آخرہ وینبغی ان یستثنی الذمی کما سبق فی المصرف،

(جلد ۲ صفحہ ۲۵۶)

اور والوالجیہ میں ہے کہ مصارف کے اعتبار سے صدقۂ فطر زکوٰۃ کے مثل ہے، (الی آخرہ) اس موقع پر چاہئے تھا، کہ ذمی کو مستثنیٰ کرتے جیسا کہ باب المصرف میں اوپر بیان کیا گیا،

باب المصرف میں حسب ذیل تحریر ہے :-

وصح دفع غیر الزکوٰۃ الی الذمی واجبا کان او تطوعا کصدقۃ الفطر والکفارات والنذور لقولہ تعالی لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الآیۃ۔

زکوٰۃ کے بجز دوسرے صدقات کا ذمیوں کو دینا جائز ہے، عام ازیں کہ وہ صدقات واجب ہوں یا نفل کے ہوں جیسے کہ صدقۂ فطر، کفارے اور نذریں ہیں، کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ "اللہ تم کو ان لوگوں کے متعلق منع نہیں فرماتا، جو تم سے

اوس کے بعد لکھتے ہین:۔

والصرف فی الکل الی فقراء المسلمین احب وقید بالذمی لان جمیع الصدقات فرضا کانت او واجبۃ او تطوعًا لا تجوز للحربی اتفاقًا کما فی غایۃ البیان لقولہ تعالیٰ انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واطلقہ فشمل المستامن وصرح بہ فی النھایۃ

(حلبہ ۲ ص ۲۲۲، ۲۲۳)

اور تمام صدقات کو مسلمان فقیرون کو دینا زیادہ پسندیدہ ہے، اور ذمی کی قید اس لئے لگائی گئی کہ تمام صدقات عام ازین کہ فرض ہون یا واجب یا نفل کے حربی (کافرون) کو دینا باتفاق ناجائز ہے، جیسا کہ غایت البیان مین ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اللہ ان لوگون کے بارے مین تم کو منع کرتا ہو، جو دین کے بارے مین تم سے مقابلہ کرتے ہین، اور اس کو مطلق رکھا، اس لئے مستامن بھی شامل ہوگیا، اور النہایۃ مین یہی ہے۔

بلکہ غیر مسلمون کو صدقہ دینے کے جواز مین صاحب ہدایہ نے تو یہان تک تصریح کی ہے کہ اگر حضرت معاذ کی روایت موجود نہ ہوتی، تو وہ زکوٰۃ کی رقم کو بھی غیر مسلم فقرار کو دینے کے جواز کے قائل ہوتے، چنانچہ فرماتے ہین،

ولا یجوز ان یدفع الزکاۃ الی ذمی لقولہ علیہ السلام لمعاذ رضی اللہ عنہ خذھا من اغنیائھم وردھا فی فقرائھم (ویدفع الیہ ماسوی ذلک من الصدقۃ) وقال الشافعی رحمہ اللہ لا یدفع وھو روایۃ عن ابی یوسف اعتبارًا بالزکوٰۃ ولنا قولہ علیہ السلام تصدقوا علی اھل الادیان کلھا ولولا حدیث معاذ رضی اللہ عنہ لقلنا بالجواز فی الزکاۃ

(ھدایہ جلد ا ص ۲۰۰ طبع مصر)

اور زکوٰۃ کو ذمی کو دینا جائز نہین ہے، کیونکہ آپ نے حضرت معاذ سے ارشاد فرمایا کہ اس (زکوٰۃ) کو ان کے امیرون سے لو، اور ان کے فقیرون مین لوٹا دو (اس کے علاوہ دوسرے صدقات اوس کو دئیے جائینگے) اور امام شافعی کہتے ہین، کہ نہیں دیا جائے گا، اور ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے، (اس قول مین) انھون نے اوس کو زکوٰۃ پر قیاس کیا ہے، اور ہمارے (فقہائے احناف) کے لئے دلیل یہ ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب دین والون پر صدقہ کرو، اگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث نہ ہوتی (تو اس حدیث کے مطابق ہم زکوٰۃ کا بھی (ذمی کو) دینا جائز کہتے۔

یہ حدیث جس سے صاحب ہدایہ دلیل لائے ہین، مصنف ابن ابی شیبہ مین مفصل مذکور ہے، کہ ابتداءً آپنے فرمایا لا تصدقوا الا علی اھل دینکم، اس پر قرآن مجید کی آیت لیس علیک ھداھم الی قولہ وما تفعلوا من خیر یوف الیکم نازل ہوئی اس پر آپنے فرمایا تصدقوا علی اھل الادیان یعنی دوسرے دین والون کو بھی صدقہ دو (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹)

نیز ایک دوسری مرسل روایت مین علی المشرکین یعنی "مشرکون کو بھی" کا لفظ آیا ہے، اور اسی بنیاد پر اس آیت کے نازل ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے، (نصب الرایہ جلد ۲ ص ۳۹۸)

اسی طرح علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر مین ماسوی ذلک کی تشریح کصدقۃ الفطر والکفارات" سے کی ہے، پھر

لکھتے ہین، ولا یدفع ذلک لحربی مستامن وفقراء المسلمین احب (فتح القدیر جلد ا ص ۲۵۰) یعنی مستامن کو نہ دیا جائے اور مسلمان فقیرون کو دینا زیادہ پسندیدہ ہے"

ان مندرجات سے معلوم ہوتا ہو کہ مذہب حنفی مین مصارف کے اعتبار سے یہی نمایان فرق ہو کہ زکوٰۃ صرف مسلمانون کو دیجائیگی اور صدقۂ فطر ذمی کفار کو دینے کی اجازت ہو البتہ مسلمان فقرار کو دیا جانا زیادہ پسندیدہ ہے، اور اس لئے قاضی خان کے فتاوی مین مکروہ سے مراد کراہت تنزیہی لیجائیگی نہ کہ تحریمی کیونکہ جواز کا تذکرہ تو وہ خود کر رہے ہین، دور حاضر کے علماے احناف نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہو، مولانا تھانوی کی بہشتی زیور مین حاشیہ پر یہ عبارت مندرج ہے۔

حکم صدقۃ الفطر مثل الزکاۃ فی کل حال الا فی جواز الدفع الی ذمی وعدم سقوطھا بھلاک المال کذا فی الدر المختار (ج ۳ ص ۳۶)

صدقۂ فطر کا حکم ہر حال مین زکوٰۃ کے مانند ہو بجز اس کے کہ اس کا ذمی کو دینا جائز ہو اور مال کے ہلاک ہوجانے سے اس کا وجوب ساقط نہیں ہوتا، ایسا ہی الدر مین ہے

پھر اردو مین یہ حاشیہ ثبت ہے،

"صدقۂ فطر کافر فقیر کو بھی دینا جائز ہے، اور زکوٰۃ اس کو دینی جائز نہین"

اسی طرح فتاوی عالمگیری مین زیادہ صاف لفظون مین مذکور ہے، اور جیسا کہ ہدایہ مین "لنا" سے فقہ حنفی مین اس کے مفتی بہ ہونا ظاہر ہوتا ہو اسی طرح فتاوی عالمگیری میں ہو،

واما اھل الذمۃ فلا یجوز صرف الزکاۃ الیھم بالاتفاق و.... یجوز صرف صدقۃ التطوع الیھم بالاتفاق واختلفوا فی صدقۃ الفطر والنذر والکفارات قال ابو حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ یجوز الا ان فقراء المسلمین احب الینا کذا فی شرح الطحاوی (جلد ا صفحہ ۱)

اور ذمیون کو تو ان کو زکوٰۃ دینی باتفاق جائز نہین .... اور صدقۂ نفل دینا ان کو باتفاق جائز ہے اور صدقۂ فطر، نذر، اور کفارون مین اختلاف ہو، امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہین کہ یہ جائز ہو، البتہ مسلمان فقرار کو دینا ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو، یہی شرح الطحاوی مین مذکور ہے،

مذکورۂ بالا اقتباسون سے یہ بخوبی آشکارا ہوتا ہو کہ فقہائے حنفیہ نہ صدقۃ الفطر ذمیون کو دینے کے عدم جواز کے قائل ہین اور نہ عدم جواز فقہ حنفی کا مفتی بہ قول ہے بلکہ فقہائے احناف اس کے جواز کے قائل ہین البتہ ترجیح مسلمان فقرار کو دینے میں ہو اور یہی فقہ حنفی کا مفتی بہ فتوی قرار پائے گا،

بہرحال کتاب العشر والزکوٰۃ کے تمام افادی پہلوؤن کے ساتھ ہمارے نقطۂ نظر سے بھی چند معروضات ہین جن پر نئے سرے سے نظر ڈالنے کی ضرورت ہو، امید ہو کہ لائق مصنف ان پر غور فرمائین گے، اور ملک کے ممتاز اکابر علماء سے مزید استصواب کے بعد ان مسائل مین مذہب حنفی کے جو راجح اقوال و فتاوی قرار پائین انھیں اختیار فرمائین گے،

نیز اگر صوبہ بہار کی ضرورتون کا لحاظ رکھکر کتاب کے آخر مین ایک ضمیمہ بڑھایا جائے جس میں وہان کے زمینداروں اور کاشتکارون کی مختلف نوعیتون کی زمینون کا تذکرہ نام بنام علحدہ علحدہ عنوانون سے قائم کرکے سہولت کے لئے ان کے متعلق علحدہ علحدہ مسائل و احکام لکھ دیئے جائین، تو اس کتاب کی موجودہ افادی حیثیت مین غیر معمولی اضافہ ہوجائے،

امید ہو کہ لائق مصنف ان معروضات پر اپنی توجہ مبذول فرمائین گے، اور طبع ثانی کے موقع پر یہ امور ان کی نگاہون کے سامنے رہین گے، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،

استفسار وجواب

ثابت بن قرہ حرانی

جناب اکرام اکبری پیرزادہ حضرت خواجہ ولی محمد چشتی رح، سیٹھ، جے پور، راجپوتانہ

ثابت بن قرہ حرانی کے مختصر سوانح حیات اور اس کی تصنیفات کے متعلق مفصل معلومات درکار ہیں، ہمارے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی رسالہ ۔۔۔ھ کا مکتوبہ ذخیرۃ الطب کے نام سے موجود ہے، یہ مطبوع ہے یا غیر مطبوع اس کے نسخے اور کہیں موجود ہیں؟ (ملخصاً)

معارف: یہ تیسری صدی ہجری میں تھا، مذہباً صابی تھا، ۲۲۱ھ میں حران میں پیدا ہوا، اور ۲۸۸ھ میں ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی، ابتدائی زندگی حران میں گذری، صرافی کا پیشہ کرتا تھا، وہاں سے بغداد آیا، قدیم علوم کی تحصیل شروع کی، محمد بن موسیٰ بن شاکر سے جس نے بلاد روم میں قدیم علوم والسنہ کی تحصیل کی تھی تعلیم پا کر طب، فلسفہ، ہیئت و ہندسہ وغیرہ میں کمال حاصل کیا، اور استاد ہی کے توسط سے خلفائے عباسیہ کے دربار سے وابستہ ہوا، عباسی خلیفہ المعتضد اس سے غیر معمولی ادب و احترام سے پیش آتا تھا، اس کی تخت نشینی سے پہلے اس کے باپ خلیفہ الموفق نے اس کو ایک مکان میں نظر بند کر دیا تھا، اسی زمانہ میں ثابت بن قرہ نگران حاجب اور بعض دوسرے لوگوں کے توسط سے اس سے ملا، اور اس نوجوان عباسی شاہزادے نے اس سے فلسفیانہ علوم اور ہندسہ و نجوم کی تحصیل کی، اور اوس کے دل میں اس کی بڑی وقعت قائم ہو گئی، مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد اس نے اس کی غیر معمولی پذیرائی کی، اور دربار کے منجمین کی صف میں اوس کو داخل کر لیا، ابن ابی اصیبعہ کی رائے ہے، کہ اوس کے زمانہ میں فن طب اور دوسرے فلسفیانہ علوم میں اس کا کوئی دوسرا مماثل موجود نہ تھا، اس کے حلقۂ درس سے بڑے بڑے اہل کمال اٹھے، اس نے کئی رصدگاہیں قائم کر رکھی تھیں، اور علمی تحقیقات میں مصروف تھا، ہیئت و نجوم میں اس کے قابل قدر تجربات و انکشافات ہیں، سریانی و یونانی زبانوں کا ماہر تھا، عربی میں غیر زبان کے علوم کو منتقل کرنے میں اس کو کمال حاصل تھا، یونانی مضمون کی بہت سی کتابیں اس نے ترجمہ کیں، مختلف علوم و فنون، فلسفہ، سائنس، ہندسہ و ہیئت پر اس کی ایسی کتابیں ہیں، جو اپنے موضوع کی بنیادی کتابیں سمجھی جاتی ہیں، اس کے مفصل سوانح حیات اور تصنیفات کے نام اور ان کے موضوع کے لئے ابن ابی اصیبعہ کی عیون الانباء فی طبقات الاطبا، جلد ا ص ۲۱۵-۲۲۰، ابن خلکان جلد ا ص ۱۰۷-۱۰۹، ملاحظہ فرما سکتے ہیں،

آپ کے پاس اس کا جو قلمی رسالہ کتاب الذخیرہ ہے، وہ ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے، جو ۳۰۰ اوراق پر مشتمل اور ۱۱۰۶ھ کا مکتوبہ ہے، عنوان مباحث میں "معالجات امراض من الراس الی القدم" مندرج ہے، (فہرست کتب خانہ رامپور ص ۴۷۲) امید ہے کہ اور دوسرے کتب خانوں میں بھی اس کے نسخے موجود ہوں،

"س"

ملاجیونؒ کی قبر کہاں ہے؟

جناب مولوی نجم الحسن صاحب خیرآباد ضلع سیتاپور

(۱) حضرت ملاجیون کی قبر دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی درگاہ میں زیارتگاہ خلائق ہے، لیکن ماثر الکرام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تدفین امیٹھی میں عمل میں آئی، یہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا،

۲- الٰہی شیرازی کا زمانہ کون ہے؟ ان کے کلیات یا دیوان کہاں ملیں گے، ان کے مفصل حالات کس کتاب میں مل سکتے ہیں، کلام طبع ہوا یا نہیں، نیز یہ مذہباً سنی تھے، یا شیعہ ان کے کلام پر تو تصوف کا رنگ غالب معلوم ہوتا ہے

۳- حیات شبلی فہرست رجال ص ۱۹ پر حضرت حاجی صفۃ اللہ صاحب محدث خیرآبادی علیہ الرحمۃ کا تذکرہ ہے غلطی سے نام صبغۃ اللہ طبع ہو گیا ہے، صحیح نام صفۃ اللہ ہے، آئندہ تصحیح فرما دی جائے"

معارف:- ملاجیون رح اپنے وطن امیٹھی ہی میں مدفون ہیں، اور وہیں ان کی قبر بھی ہے، البتہ دہلی میں ان کی وفات ہوئی تھی مگر نعش دہلی سے وطن لائی گئی، اس کی تصریح ماثر الکرام (جلد ا ص ۲۱۱) کے علاوہ دوسرے تذکروں مثلاً بحر زخار ملا وجیہ الدین اشرف (تصنیف ۱۲۰۳ھ) اور تذکرہ علمائے ہند وغیرہ میں بھی ہے، کہ بدہلی وفات یافتہ نعش او باتیٹھی آوردہ دفن کردند (تذکرہ علمائے ہند ص ۴۵) پھر اس روایت کی تصدیق قصبہ کی تربت ہوتی ہے اسلئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ دہلی میں جو قبر ان کی طرف منسوب ہے وہ صحیح نہیں،

الٰہی شیرازی

۲- الٰہی شیرازی دسویں صدی کے مشہور شعرائے فارس میں گذرا ہے، اس کی زندگی کا بیشتر حصہ اوس کے وطن شیراز میں گذرا، وہیں اوس نے ۹۴۲ھ میں وفات پائی، مجالس المومنین میر علی شیر، ہفت اقلیم امین رازی، ریاض الشعراء، اور مخزن الغرائب (ورق ۲۰) میں اسکا تذکرہ آیا ہے، اسکا کلیات برٹش میوزیم نمبر ۹۰۲ میں موجود ہے، اس کی مثنویاں بھی ہیں (فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۶۵۵) اس کے مفصل حالات کے لئے کسی اور موقع پر یاد دہانی فرمائیں تو تعمیل ارشاد کر سکوں گا،

۳- حیات شبلی کے غلط نامہ میں اس کی تصحیح کر دی گئی، "س"

حضرت ماریہ قبطیہؓ

جناب اہلیہ مولوی معین الدین احمد صاحب ندوی قدوائی رسول پور، ڈاکخانہ جہانگیرآباد ضلع بارہ بنکی

حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق کوئی تفصیلی حالات آپ نے سیر میں نہیں تحریر فرمائے تفصیلی حالات مطلوب ہیں،

معارف:- حضرت ماریہ قبطیہؓ ان دونوں باندیوں میں سے ایک ہیں، جن کو مقوقس جریج بن مینا قبطی صاحب مصر و اسکندریہ نے مکتوب نبوی کے جواب میں ہدایا و تحائف کے ساتھ بھیجا تھا، کہا جاتا ہے کہ اوس نے کہا کہ آنے والے نبی کی نشانیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ دو بہنوں کو جمع نہیں کرے گا، یعنی ایک ساتھ دو بہنیں کسی کے عقد نکاح یا تحت میں نہ ہونگی، اسی آزمایش کے لئے مصر کی خوبصورت ترین دو بہنوں کو دیگر قیمتی تحائف کے ساتھ بھیجا، آپ نے حضرت ماریہؓ کی بہن ریحانہ کو حضرت حسان بن ثابتؓ کو عنایت فرما دیا، اور حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے پاس رکھا، اور ایک علحدہ مکان میں وہ ٹھہرائی گئیں، آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم جو بچپن میں فوت ہو گئے تھے انہی کے بطن سے تھے، حضرت ماریہ رض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۱۶ھ اور بہ روایت ۱۵ھ میں وفات پائی، اور بقیع میں دفن فرمائی گئیں، رضی اللہ عنہا (زرقانی ج ۳ ص ۳۲۴ تا ۳۲۶)

"س"

ادبیات

سوز و ساز

از جناب انور کرمانی لدھیانہ

ادراک سے کچھ ہو نہ سکی عقدہ کشائی
یہ آتشِ بے سوز میرے کام نہ آئی

ہنگامہ کونین فقط ذوقِ نظر ہے!
ناظر نہ ہو جب کوئی تو پربت بھی ہے رائی

جب آہِ سحرگاہ سے دل ہوتا ہے زندہ
کھل جاتے ہین بندون پہ بھی اسرارِ خدائی

گرمائے دلِ سرد کو مکتب کی فضا کیا؟
ممکن نہیں بے سوزِ نفس شعلہ نوائی

یہ رازِ فقیہانِ خودی نے ہے کیا فاش!
افلاک سے بھی آگے ہے، مومن کی رسائی

خونِ دلِ مطرب میں نہ جو ڈوب کے نکلے
بے سود ہے اس بزم مین وہ نغمہ سرائی

بیگانۂ منزل ہے رہِ و رسمِ محبت
حاصل ہے مجھے وصل مین بھی ذوقِ جدائی

مجبورِ نوا ہو نہ سکا سازِ شکستہ!
جو دل سے اٹھی آہ تو لب تک نہ آئی

پامال نہ کر جذبۂ احساسِ خودی کو
حاصل کی تمنا ہے، محبت میں گدائی

یہ کس کی نگاہون کا تصرف ہے کہ انور
ہر سانس ہے پُر سوز، ہر اک اشک حنائی

غزل

از جناب یحییٰ اعظمی

نہین جاتی دلِ مضطر کی بے تابی نہین جاتی
کہ خود سیماب سے تقدیرِ سیمابی نہین جاتی

ہوئے موقوف نالے روز و شب کے تھم گئے آنسو
مگر راتون کو ان آنکھون کی بے خوابی نہین جاتی

نظر آتے تھے کس عالم میں وہ چشمِ تصور کو
ابھی تک چہرۂ محزون کی شادابی نہین جاتی

حجاب اندر حجاب و پردہ اندر پردہ ہو پھر بھی
رُخِ روشن کے جلوون کی جہانتابی نہین جاتی

بجوشِ شوق ہے، وہ بھی بہ قیدِ ہوش و بیداری
جنون مین بھی محبت کی خوش آدابی نہین جاتی

جنون ہو یا کہ ہو وصل ہو یا ہجر کا عالم
مرے دردِ محبت کی جگر تابی نہین جاتی

وہی بس چند آنسو جو ہر حُسنِ محبت ہین
کہ مٹی مین بھی مگر جن کی خوش آبی نہین جاتی

وفیات

فراقِ مجذوب

یہ ہوتا ہے رخصت غلامِ محبت
سلامِ محبت سلامِ محبت

خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوبؒ

افسوس ہو کہ، ۱۷ اگست ۱۹۴۴ء کی صبح کو خواجہ صاحبؒ اوری ضلع جالون مین اپنے گھر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا،

ابھی چند ماہ ہوئے کہ خواجہ صاحبؒ ہمارے دار المصنفین مین آئے تھے، کئی دن رہے اہلِ شہر اور اطرافِ شہر کا ہجوم اون کی زیارت اور اُن کے کلام کو سننے کے لئے جمع ہو رہا تھا، جو کچھ بھی کہا تھا، اور جو کچھ بھی کہتے تھے، سب نوکِ زبان تھا، جب وہ اپنے شعر پڑھتے تھے، تو خود بیخود ہو جاتے تھے، اور دوسرون کو بیخود بنا دیتے تھے، ایک جوش تھا جو ان کے سینہ مین موجزن ہوتا تھا، وہ موزون نغمون کی صورت مین ان کی زبان سے باہر آتا تھا، کس کو خیال تھا کہ یہ چہکتا ہوا بلبل یوں دم کے دم مین ہمیشہ کیلئے خاموش ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائین اور اعلیٰ علیین مین جگہ بخشیں،

مرحوم کو مین نے سب سے پہلے تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ مین حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہ کی مجلس مین دیکھا، یہ وہ زمانہ تھا، جب وہ اشرف السوانح لکھ رہے تھے، دیکھا کہ مجلس کے اندر لیکن مجلس سے بے خبر ایک بزرگ اپنا دفتر لئے دیوار سے ٹیک لگائے لکھنے مین مصروف ہین، پتہ اون کو میرا، اور میرا انھین بعد کو چلا، اوس وقت نہ ایک نے دوسرے کو جانا نہ پہچانا،

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران

اون سے جان پہچان کی پہلی ملاقات نواب سید علی حسن خان مرحوم کے یہان اُن کے مکان بھوپال ہوس لکھنؤ مین ہوئی، کیا دیکھتا ہون کہ ایک بزرگ خواجہ خضر کی صورت، دراز قد گورا رنگ لمبی سپید داڑھی، گول میرٹھی ٹوپی، سر پر دیئے، اور پُرانے زمانہ کی اچکن پہنے، پرانے اڈل کی موٹر کو ڈرائیو کرتے ہوئے آئے، اور سامنے موٹر روک کر اُترے، سب نے سروقد تعظیم کی، آیئے خواجہ صاحب، آیئے خواجہ صاحب، دل نے کہا یہ ضرور خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوبؔ ہین، اس حقیر کا بھی تعارف ہوا لطف فرمایا،

اس کے بعد جب قسمت نے خواجہ صاحب سے خواجہ تاشی کی نسبت کی سعادت بخشی تو تعارف نے ملاقات، ملاقات نے ان کے ساتھ عقیدت، اور عقیدت نے محبت کی شان پیدا کی،

احبُّ الصّالحین و لست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

صالحوں میں گو میرا شمار نہیں لیکن ان سے محبت رکھتا ہون کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے بھی صلاح بخشیں

خواجہ صاحب کا اصل وطن ریاست ہمیرپور مین قصبہ ندیئی تھا، مقامی اور خاندانی روایتون کے رو سے سلطان شہاب الدین

غوری نے جب راجپوتانہ فتح کیا، تو یہان مسلمانون کے مختلف قبیلون نے بستیان آباد کین، جن مین سے ایک یہ قصبہ بھی ہے، جس مین مختلف قبیلون کے نام سے مختلف محلے آباد ہین، جن مین سے ایک غوری پاڑہ ہے، اور عجیب اتفاق یہ کہ خواجہ صاحب کے اجداد مین ہمایون شاہ کے عہد مین الہ داد بن خواجہ غوری ایک بزرگ گذرے ہین، جن کے اس نام کا کتبہ قصبہ کی مسجد مین بانی کے نام کی حیثیت سے لگا ہوا ہے، قصبہ مین مختلف سلاطین کی ٹوٹی پھوٹی یادگارین اب بھی موجود ہین،

خواجہ صاحب کے والد خواجہ شیخ عزیز اللہ صاحب مرحوم عربی کے عالم تھے، چنانچہ میزان، منشعب، پنج گنج، اور نحو میر کے اردو ترجمے عزیز المبتدی، عزیز الطالبین اور عزیز النحاۃ کے نام سے کئے، جو کہین کہین مدرسون مین پڑھائے جاتے ہین، اردو کا شوق مین یہ ہین، فراغت کے بعد اونھون نے مدرسی پیشہ اختیار کیا، اوس زمانہ مین قانون کی تعلیم اردو مین تھی، اتفاق سے ایک طالب علم کے والد کے اصرار سے اوس کو قانون کی اردو کتابین پڑھانی شروع کین، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی محنت مین وہ خود قانون دان ہوگئے اور امتحان دیکر وکالت شروع کردی، اور اس کے لئے اورئی ضلع جالون کو اپنے لئے منتخب کیا، چنانچہ اللہ تعالی نے ان کو فروغ دیا، اہل علم اور اہل تقوی کی صحبت مین رہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خط کے ذریعہ بیعت کی، تمام عمر دیانت، صوت، اور نیکنامی کے ساتھ بسر کرکے ۱۳۲۶ھ مین وفات پائی، "مغفور" وفات کا مادہ تاریخ ہے،

خواجہ صاحب کی ولادت ۱۸ شعبان ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۲ جون ۱۸۸۴ء کو اورئی مین ہوئی، تعلیم گو انگریزی کی دیگئی، مگر تربیت خالص دینی اور مشرقی رہی، اعلی انگریزی تعلیم کے لئے علی گڈھ کالج مین داخل ہوئے، اور بی اے کا امتحان پاس کرکے ایل ایل بی کی تیاری کے لئے الہ آباد آئے،

چونکہ گھر کا ماحول مذہبی تھا، اس لئے مذہبی کتابون سے دلچسپی بچپن سے رہی، اور پھر چونکہ ان کے والد کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا، اس لئے فطرۃً ان کی کشش ان کے خلیفہ وقت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کی طرف ہوئی، اب جو الہ آباد آئے تو قسمت نے تصنیفات سے صاحب تصنیفات تک پہنچا دیا، ۱۳۲۶ھ کا واقعہ ہے کہ اتفاق سے مولانا الہ آباد تشریف لائے ہوئے تھے، ان کے وعظ کا اشتہار ہوا جس کو دیکھکر خواجہ صاحب بیتابانہ اوس مسجد مین پہنچ گئے، جہان حضرت کا قیام تھا، دیکھا کہ حضرت محو خواب ہین، کچھ ہی دیر کے بعد ظہر کی اذان ہوئی، مولانا اٹھے تو اس شان سے کہ کرتے کا گریبان کھلا تھا، زلفین پریشان تھین، اور آہستہ آہستہ وضو کے لئے باہر نکل رہے تھے، شاعری خواجہ کی فطرت تھی، اس موقع پر اشرف السوانح مین کیا شعر لکھا ہے،

قبا وا کردہ و کاکل پریشان کردہ می آید
بہ بین این بے سر و ساماں چہ ساماں کردہ می آید

سلام کیا، بڑھکر مصافحہ کیا، تعارف کرایا، اور بیعت کی درخواست کی جو قبول ہوئی، یہ اول دن ہے اور حضرت والا کی وفات کا دن آخری دن ہو کہ اپنے شیخ کے پاؤن سے وہ لپٹے، تو پھر الگ نہین ہوئے، باہر رہے تو بھی دل شیخ کے پاس ہی رکھا، اور جب موقع ملا تو حاضری کے لئے دوڑ پڑے، یہ شیخ سے اس محبت اور عقیدت کی مثال جو ان کو اپنے شیخ سے تھی، اس زمانہ مین کم ملیگی،

خواجہ صاحب نے قانون چھوڑ کر پیشے سرکاری مین نوکری کی، مگر والد مرحوم کے حکم سے اوس سے مستعفی ہوگئے، اور تحصیلداری کے لئے کوشش کی تحصیلدار تو نہین ہوئے، مگر ڈپٹی کلکٹر ہوگئے، سات برس اس عہدہ پر رہے، مگر یہ عہدہ ان کی افتاد طبیعت کے مخالف تھا، پھر خلاف شرع مقدمات کے فیصلہ سے ان کے دل کو الجھن ہوتی تھی، اس لئے کوشش کرکے اپنا تبادلہ

[illegible] تعلیمات مین کرالیا، پہلے مکاتب اسلامیہ کے ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے، پھر انسپکٹر ہوئے، پھر انگریزی اسکولون کے انسپکٹر ہوئے، اور اسی عہدہ سے پنشن پاکر ریٹائر ہوئے، ڈپٹی کلکٹری ہی کے زمانہ مین وہ حج سے فارغ ہوچکے تھے،

خواجہ صاحب گو بچپن ہی سے نیک تھے، علی گڈھ کالج مین بھی داڑھی رکھکر داخل ہوئے، اور بسلامت واپس آئے، لیکن بیعت کے بعد تو ان کا تقوی اچھے اچھے مولویون کو شرماتا تھا، پوری سرکاری ملازمت مین اور دورون مین کبھی کسی سے کوئی چیز بے قیمت نہین قبول کی، یہان تک کہ مٹی کے گھوڑے وغیرہ کی بھی قیمت ادا کردیتے تھے، ملازمت کے زمانے مین ایک دفعہ ایک لڑکا ساتھ تھا جس کی عمر گو ۱۲ برس کی تھی، مگر دیکھنے مین چھوٹا معلوم ہوتا تھا، اہل کار کا اصرار تھا کہ اس کا ٹکٹ نصف چل جائے گا، مگر اونھون نے اس کو قبول نہین کیا، اور ٹکٹ پورا لیا، اہل دنیا ان کی اس "معصومیت" پر ہنستے رہے، اور وہ خوش تھے کہ مین بحمد اللہ خیانت کے جرم سے پاک رہا، ہم مین سے کتنے آدمی ہین، جو اس معمولی سے معیار تقوی پر پورے اتر سکتے ہین،

اونھون نے انگریزی کپڑے کبھی نہین پہنے، ڈپٹی کلکٹری اور انسپکٹری مین بھی اپنی وضع نہین بدلی، عام طور سے یا سپید چوگوشیہ ٹوپی، یا میرٹھی کام کی ٹوپی، اور لمبا کرتا، اور اونچا شرعی پائجامہ، اور باہر نکلنے پر اچکن، جاڑون مین سر پر صندلی صافہ ان کے گورے چہرہ پر بہت زیب دیتا تھا،

انگریزی طور وطریق سے ان کو دلی نفرت تھی، ایک دفعہ دہلی مین ان کے نئی طرز کے ایک دوست نے ان کو کھانے پر مجبور کیا، ناچار قبول کرلیا، اونھون نے اپنی ہی قسم کے اور احباب کو بھی بلایا، کھانا میز پر چنا تھا، چھری اور کانٹے بھی ترتیب سے لگے ہوئے تھے، خواجہ صاحب ٹہلتے رہے، جب لوگ اپنی اپنی کرسیون پر بیٹھ گئے، تو خواجہ صاحب مرحوم آگے بڑھے، اور جلدی سے اپنی پلیٹ اٹھا کر اس مین چمچہ سے کھانا نکال کر فرش زمین پر بیٹھ گئے، یہ دیکھکر میزبان صاحب شرمائے، اور فوراً صاف فرش بچھایا گیا، اور سب نے زمین پر بیٹھکر بآرام مشرقی طرز سے کھایا، بظاہر یہ ایک سختی معلوم ہوتی ہے، مگر جس کے دل کے اندر اسلام کی سادگی اور سنت کی پیروی عادت ثانیہ کے طور پر بیٹھ گئی ہو، اسکو اس کے خلاف کرنے مین کتنی اندرونی تکلیف محسوس ہوتی ہے،

عام طور پر لوگ کہا کرتے ہین کہ اسلام ان معمولی معمولی باتون مین نہین رکھا ہے، مگر تجربہ شاہد ہے کہ انہی معمولی باتون مین تسامح اور چشم پوشی بڑھ کر بڑی باتین بن جاتی ہین،

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل
چو پر شد نہ شاید گرفتن بہ پیل

ایک دفعہ وہ شاہدرہ سہارنپور ریلوے پر جو پرائیوٹ کمپنی ہے میرے سامنے بیٹھنے لگے، تو اپنے اسباب کو غور سے دیکھا کہ ریلوے کی اجازت سے زیادہ تو نہین ہے، پھر فرمایا، مین اس ریل مین خاص طور سے دیکھ لیتا ہون، گورنمنٹ ریلوے مین تو خیر کچھ تاویل بھی چل جاتی ہے،

ان کا دوسرا وصف خاکساری اور تواضع ہے، اس بلند منصبی کے ساتھ کبھی ان مین ایک منٹ کے لئے بھی تشخص پسندی نہین آئی، چپراسیون کو بھی کھانے مین ساتھ بٹھا لیتے تھے، بازار سے چیز خرید کر اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لانے مین تامل نہ تھا، تھانہ بھون کے قیام کے زمانہ مین کھانا یا کوئی کھانے کی چیز بے تامل رومال یا دسترخوان مین لپیٹ کر لے آتے تھے، ایک دفعہ میرے لئے اپنی قیام گاہ سے قالین، جانماز، چٹائی، بے تکلف اپنے بغل مین دبا کر خانقاہ لے آئے، وہ اس قسم کے کام جس کو لوگ اپنے لئے توہین اور شرم کی بات سمجھتے ہین، اس بے تکلفی سے انجام دیتے تھے، کہ چہرہ پر میل تک نہ آتا تھا، اس سے زیادہ یہ کہ وہ انسپکٹر آف اسکولس ہین، ساتھ مین متعدد ماسٹر اور اسکولون کے ہڈ ماسٹر ہین، اور وہ چلتے ہوئے خود بازار سے کوئی مٹھائی یا کھانے

کی کوئی چیز خریدتے ہین، اور ان کو کھلاتے ہین، اور خود بھی کھاتے ہین،

وہ لوگ جو کوئی بڑی سرکاری نوکری پاکر انگریزی طریق معاشرت اختیار کر لیتے ہین، اور معذوری ظاہر کرتے ہین کہ اس کے بغیر اونچے سرکاری حلقون مین عزت نہین ہوتی، اور ماتحتون پر رعب نہین پڑتا، یہ معذرت محض دل کے تقاضے پر بہانے کا پردہ ہوتی ہے، خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ میرے لئے تو یہ سادہ اسلامی شکل وصورت تحقیر کے بجائے عزت کا سامان بن گئی، انگریز افسر بھی دیکھ کر عزت کرتے ہین، دیانت دار سمجھتے ہین، اور ہمیشہ اونھون نے میرے کام کو پسند کیا، [illegible] خان بہادر بنایا، ترقی پر ترقی دی، اور کسی موقع پر بھی میری داڑھی اور میرا لباس کرتہ میری کسی ترقی مین حارج نہین ہوا،

ان کا تیسرا وصف ان کی محبت ہے، چھوٹے بڑے ہر ایک سے محبت، ہم مذاق دوستون سے محبت، اپنے برادران طریقت سے محبت، اور اپنے شیخ سے تو وہ محبت جس کا درجہ عشق سے بھی زیادہ اونچا تھا، نوکری کے زمانہ مین دور دور شہرون سے بھی اگر اس قدر بھی آمد ورفت کے بعد ان کو موقع مل سکتا، کہ وہ ایک نظر دیکھ لیتے، تو آتے، اور ایک نظر دیکھ لیتے، اور چلے جاتے، اور اگر ایک دو روز قیام کا موقع ملتا، تو کیا کہنا، ملازمت کے زمانہ مین نصف تنخواہ پر مہینون کی چھٹی لیکر آتے اور خانقاہ مین خانقاہی طرز پر بسر کرکے ذکر واشغال مین مصروف رہتے، اور مجلس مین شیخ کے ملفوظات سے لطف اٹھاتے، اور استفادہ باطنی کرتے، ملازمت کے بعد تو گویا وہین رہ پڑے تھے، خانقاہ کے اوپر مغربی سمت مین ایک کمرہ اپنے لئے خاص کر لیا تھا،

ایک دفعہ میرے سامنے ابھی دو سال ہوئے، تھانہ بھون میں بیمار ہوئے، قصبہ مین ملیریا اور ٹائیفائڈ کی شدت تھی، خواجہ صاحب بھی بیمار پڑے، مین نے عرض کی کہ دودھ کے سوا کوئی اور غذا نہ کھائیے، کہ غذا ہی کی بے احتیاطی سے بخار بگڑ کرتی ہوجاتا ہے، اونھون نے درخواست منظور کی، بخار کچھ کم ہوا تو گھر جانے کا ارادہ کیا، صبح کے وقت حضرت والا خلاف معمول خانقاہ تشریف لے آئے، اپنے لئے کھچڑی تیار کرائی تھی، وہ آئی، خواجہ صاحب رخصت ہونے گئے، واپس آئے تو مین نے پوچھا، کچھ کھا تو نہین لیا، فرمایا مین نے تو حضرت کے ساتھ کھچڑی کھالی، وہ انشاء اللہ مضر نہ ہوگی، ایسی برکت کی چیز کہان ملتی ہے، چنانچہ واقعی ان کو مضر نہین ہوئی، مین رخصت کے وقت مین نے دیکھا، کہ خواجہ صاحب بچون کی طرح دوزانو ہوکر حضرت کے زانو پر سر رکھ کر رو رو کر کہہ رہے تھے، کہ حضرت میرے حسن خاتمہ کی دعا فرمائین، اور حضرت تسلی دے رہے تھے،

اپنے شیخ کا ایک ایک ملفوظ ایک ایک حکم ایک ایک نصیحت ان کو یاد تھی، اور اس پر عمل کرتے تھے، خواجہ صاحب بولتے بہت تھے، اس کے لئے ان سے بڑے بڑے مجاہدے کرائے گئے، ایک ایک مہینہ کے لئے ان کو بولنا منع کر دیا گیا، اور اس پر اونھون نے عمل کیا، مگر جس دن یہ صوم سکوت ٹوٹتا، اسی دن ساری کسر پوری کر لی، مجلس مین اس پر وہ ہر روز ٹوکے جاتے تھے، اور خاموشی سے شیخ کے زجر وتنبیہ کو سن لیتے تھے، مگر وہ مجبور سے تھے، پھر وہ بول پڑتے تھے، مین نے عرض کی کہ خواجہ صاحب یہ گناہ قصداً کرتے ہین، تاکہ

یاد سے چھیڑ چلی جائے اسد گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

فرمایا نہیں بھائی مین بیوقوف دیہاتی ہون،

حضرت کو بھی اُن سے بدرجۂ غایت انس تھا، رضا اور غضب ہر حال مین وہ ان پر توجہ فرماتے تھے، وہ ذرا نظرون سے ہٹے، فوراً پوچھا، خواجہ صاحب نہیں ہین، تنہائیون مین خلوتون مین جلوتون مین ہر جگہ وہ ساتھ تھے، اکثر رات کو بھی وہ حضرت والا کی خدمت کے لئے حضرت کے خوابگاہ کے پاس ہی سوتے تھے، حضرت کے مرض الموت مین بھی وہ خدمت گذاری

مین مصروف رہے، اُن کے والہانہ انداز کا ایک نقشہ یہ ہے کہ حضرت کی وفات جو عین اس وقت ہوئی جب خدام نماز عشا کے لئے گئے ہوئے تھے، واپسی مین وفات کی اطلاع ملی، خواجہ صاحب پہنچے، تو بے اختیار شیخ کی پیشانی کو یہ کہکر بوسہ دیا، واہ رے میرے شیخ ایک شان سے زندگی گذار دی، ان کو جب بعد کو معلوم ہوا، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین مبارک کو وفات کے بعد آکر بوسہ دیا تھا، تو اس توافق اور [illegible] کی ان کو بڑی [illegible] ہوئی،

وہ اپنے شیخ کے قدیم خلفاء مین سے تھے، وہ [illegible] مین خلافت سے ممتاز ہوئے، متعدد سعادتمند ان سے متعلق تھے، جن کی اصلاح وتربیت کا فرض وہ انجام دیتے تھے، حضرت والا کی وفات کے بعد حضرت والا کے خدام مین ان کی ہستی بڑی محبوب تھی، وہ محبوب کے محبوب سمجھے جاتے تھے، افسوس کہ محبت کی یہ یادگار بھی مٹ گئی، شیخ کے ذکر واذکار اور ان کے ملفوظات اور اپنے اشعار سے کوئی مجلس خالی نہین ہوتی تھی، اسی ضمن مین وہ اپنے دردِ دل کا اظہار اور لوگون پر اثر ڈالنے والی نگاہون سے بھی غافل نہین رہتے تھے،

شاعر مجذوب

خواجہ صاحب فطری شاعر تھے، شاعری مین کسی سے تلمذ نہ تھا، وہ صرف تلمیذ الرحمان تھے، اول تو شاعری کا سنجیدہ فطری مذاق، اور ذوق سلیم، اور اس پر تصوف کی چاشنی، اور اس مین بھی جگ بیتی نہین، بلکہ اپنی کہانی، سب مل ملا کر ان کی شاعری اپنے زمانہ کی شاعری کا بے مثال نمونہ تھی، زیادہ تر غزل کہتے تھے، غزل کی زبان کے ساتھ خیالات کی لطافت عجیب چیز تھی،

غالباً وہ بچپن سے شعر کہا کرتے تھے، اپنے حال مین ایک جگہ لکھا ہے کہ انگریزی تعلیم کے زمانہ مین ان کے والد مرحوم ان کو پڑھنے کے لئے اپنے پاس بٹھاتے تھے، اور یہ مناجاتیہ اشعار کی تصنیف میں مصروف رہتے تھے، اور فرماتے ہین کہ انھی مناجاتون کے بدولت پاس ہوتا چلا گیا،

خواجہ صاحب پورے شاعر تھے، جب وہ اپنا شعر سنانے پر آتے تھے، تو ایک غزل دو غزل بلکہ بیسیون غزل سُنا ڈالتے تھے، اس کی ان کو کچھ پروا نہین ہوتی تھی کہ کون اس کو سُن رہا ہے، اور کون داد دے رہا ہے، وہ اپنے اشعار سے آپ لطف اندوز ہوتے تھے، اور جھومتے تھے، اہل ادب نے لکھا ہے کہ خطابت اور شاعری میں فرق یہ ہے کہ خطیب کی نظر اپنے اوپر نہیں بلکہ سامعین پر ہوتی ہے، اور شاعر کو سامع سے نہیں، بلکہ صرف اپنے آپ سے بحث ہوتی ہے، وہ آپ ہی کہتا اور آپ ہی سنتا ہے، وہ اپنی شراب سے آپ مست اور اپنی بانسری پر آپ جھومتا ہے، شاعری کی یہ تعریف پوری طرح ان پر صادق آتی تھی،

لکھنؤ کے قیام کے زمانہ مین اکثر شعراء سے دنگل رہے، بڑے بڑے مشاعرون مین شریک ہوئے، اور ہر جگہ اُن کا کلام دوسرے شعراء کی رسائی خیال سے بہت اونچا رہتا تھا، وہ اپنی غزل خاص لے مین پڑھتے تھے، جب وہ پڑھتے تھے تو ایک عالم بندھ جاتا تھا، پرگو بھی بہت تھے، ایک ایک غزل سو سو شعر کی کہہ ڈالی، حافظہ بھی عجیب تھا، جو کچھ کہا تھا، حافظہ کے خزانے مین تھا، جب اپنی خاص صحبتون مین شعر پڑھتے تھے، تو ایسے شعرون کے معنی بھی بتاتے جاتے تھے، اور اپنی خاص شاعرانہ اصطلاحون کو بھی بیان کر دیتے تھے، مثلاً دور شراب اور گردش جام سے مراد تسبیح، میخانہ سے مراد شیخ کی خانقاہ، مُطرب، پیر مُغان، پیر میکدہ سے مراد شیخ، اُن کے اکثر اشعار حالیہ تھے، یعنی اپنے حال اور اپنی کیفیت کو شاعری کے پردہ مین ظاہر کرتے تھے، اسی طرح تصوف کے مقامات ومنازل کو بھی غزل کے رنگ مین بیان کر دیتے تھے،

مجذوب تخلص بھی شاید شیخ ہی کا بخشا ہوا ہے، پہلے حسن تخلص کرتے تھے، حضرت مجذوب کی نسبت اپنے شیخ

سے ویسی ہی معلوم ہوتی ہے جیسی امیر خسرو اور حسن کی شیخ سلطان الاولیا رحمہ اللہ سے، شیخ نے بطور معالجہ کے کبھی کبھی ان کو شعر کہنے سے بھی روک دیا تھا، مگر وہ ان کے شعروں کو بہت پسند فرماتے تھے، اُن کے ایک شعر کے متعلق اُن سے فرمایا تھا کہ خواجہ صاحب اگر میں بادشاہ ہوتا تو آپ کو اس شعر پر ایک لاکھ روپیہ دیتا، مرض الموت میں بھی حضرت والا نے اس شعر کو پڑھا تھا، شعر تھا،

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی — اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

صوفیہ کی اصطلاح میں جب تک ہر غیر سے قلبی انقطاع محبت نہ ہو جائے، وصال الٰہی ممکن نہیں،

محبت کی ردیف میں ان کی لاجواب غزل ہے،

یہ ہوتا ہے رخصت غلام محبت — سلام محبت، سلام محبت
میرے سامنے لو نہ نام محبت — چھلک جائے گا ہائے جام محبت
سنبھل کر ذرا تیز گام محبت — مقام ادب ہے مقام محبت
ادھر اک نظر اس طرف بھی خدارا — بپاس مروت، بہ نام محبت
زبان سے وہ کچھ ہی کہے جائیں مجھکو — نگہ دے رہی ہے پیام محبت
چڑھیں دار پر یا چڑھیں طور پر ہم — رسائی سے بالا ہے بام محبت
ازل ابتدا ہے، ابد انتہا ہے، — نہ صبح محبت، نہ شام محبت
نکلنے کی کوشش میں دونے پھنسو گے — یہ اے حضرت دل ہے دام محبت
بچا کر کہاں ہائے جاؤں دل کو — بچھا ہے دو عالم میں دام محبت
خدا تجھکو مجذوب رکھے سلامت — تجھی سے ہے دنیا میں نام محبت

ہنس بھی چکے ہنس بھی دو ہاں ہاں چلو بس روٹھ چکے — اب ہنسے، اب ہنسے وہ دیکھو ہنسی آئی ہے
اللہ اللہ ترے آتے ہی ہجوم اشکوں کا — حسرت دید بھی مشکل سے نکل پائی ہے
دم یہاں اکھڑا ہوا ہے، نزع کا ہنگام ہے — کیا کہی ہے لو خدا حافظ ہیں اب کام ہے
دم نزع کا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغر کا — میرا دور زندگی ہے یہ جو میرا جام ہے
یہ معانی یہ حقائق، یہ روانی یہ اثر — شاعری تیری ہے ای مجذوب یا الہام ہے

ہر چیز میں عکس رخ زیبا نظر آیا — عالم مجھے سب جلوہ ہی جلوہ نظر آیا
جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے — تو مجھکو بھری بزم میں تنہا نظر آیا
صد شکر کہ آپہنچے لب گور جنازہ — لو بحر محبت کا کنارا نظر آیا
کھولے ہوئے آغوش بڑھا اس کو میں تنہا — اتنا تھا تصور کہ میں سمجھا نظر آیا
جو دور نگاہوں سے مہر عرش بریں ہے — وہ نور سر گنبد خضرا نظر آیا
مجذوب کبھی سوز کبھی ساز ہے تجھ میں — تو میر کبھی اور کبھی سودا نظر آیا

تصانیف | خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نظم و نثر میں اپنی کئی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، ایک نظم مسٹر اور ملا کا مناظرہ ہے جس میں قدیم و جدید خیالات کی آویزش کی تصویر کشی ہے، ذکر و ضرب پر ایک دو نظمیں ہیں، افسوس ہے کہ ان کا دیوان نہ مرتب ہوا نہ چھپا، ان کی بعض

غزلیں رسالوں میں چھپی ہیں، معارف میں بھی کبھی کبھی چھپی ہیں، ان کو نہ نام و نمود کی خواہش تھی، اور نہ طبع و اشاعت کا اہتمام، خدا کرے کہ وہ ضائع نہ ہوں، اور چھپ کر کبھی اہل شوق کے ہاتھوں میں پہنچیں،

اُن کی سب سے بڑی یادگار اشرف السوانح کی تین جلدیں ہیں، جو بظاہر تو اپنے شیخ کے احوال و سوانح ہیں، مگر درحقیقت اوس میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جمیع اصول تعلیم و ہدایات و نصائح و وصایا کو اس ترتیب سے جمع کیا ہے کہ وہ سلوک کی بہترین کتاب ہو گئی ہے، اشرف السوانح کا چوتھا حصہ جو شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری حالات اور وفات پر مشتمل ہے، شیخ کی وفات کے بعد بڑے سوز و گداز سے انھوں نے لکھا تھا، وہ ہنوز مسودہ ہے، ان کی دوسری یادگار اپنے شیخ کے ملفوظات کی تالیف ہے، جو حسن العزیز کے نام سے شائع ہے، اور فن کا نادر مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ ان خدمات کے صلہ میں خواجہ صاحب کو مقام اعلیٰ نصیب فرمائے،

سانحۂ وفات | حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مفارقت کا جو صدمہ ان کے دل پر تھا، وہ ظاہر ہے کہ اگر وہ ایک ایسے حکیم شیخ کے خاص تربیت یافتہ نہ ہوتے، تو عجب نہیں کہ وہ مجذوب سے مجنون ہو جاتے، شیخ کی وفات کے بعد سے ان کے اندر دو جذبے قوی پیدا ہو گئے تھے، ایک یہ کہ شیخ کے علم اور تعلیم کو جس طرح ممکن ہو پھیلایا جائے، اور دعوت الی اللہ دی جائے، دوسرا یہ کہ حضرت شیخ کے اکابر خدام سے مل مل کر طلب کی پیاس کو بجھایا جائے، چنانچہ اس ایک سال کے اندر انھوں نے اپنے وطن میں بہت کم قیام کیا، لکھنؤ، کانپور، ہردوئی، جونپور، اعظم گڈھ، بہرائچ وغیرہ شہروں میں پھر پھر اکر اخوان طریقت دوستوں سے ملا کئے، اسی سلسلہ میں ۱۶ جولائی سنہ ۴۴ء کو مولانا محمد حسن صاحب امرتسری (خلیفہ مجاز حضرت شیخ رحمہ اللہ) کی ہمراہی میں تھانہ بھون سے چند احباب طریقت کے ساتھ امرتسر گئے، وہاں جا کر دوسرے ہی روز استفراغ اور بخار شدید میں مبتلا ہو گئے، علاج سے طبیعت درست ہو گئی، مگر نقاہت بہت ہی زیادہ پیدا ہو گئی تھی، ۵ اگست کو وہاں سے ایک صاحب کے ہمراہ اورئی اپنے وطن تشریف لائے، یہاں پہنچ کر بخار اور حوالی قلب میں درد کی تکلیف شروع ہو گئی، جو آخر وقت تک رہی، بخار کم ہوتا گیا، مگر دفعتہً ۱۶ اگست سنہ ۴۴ء کو پھر تمام تکالیف عود کر آئیں، اور بخار اور درد سینہ میں شدت پیدا ہو گئی، ۱۶ اور ۱۷ کی درمیانی شب میں بہت کرب رہا، استفراغ کی زیادتی اور پریشانی کے ساتھ رات بسر کی، صبح کچھ طبیعت ٹھیک تھی، مگر تکالیف موجود تھیں، سول سرجن اور ڈاکٹر آئے انھوں نے قوت کے لئے انجکشن لگایا، اور کہا کہ آپ کی حالت اچھی ہے، اس پر فرمایا، کہ یہ سب کچھ ہے، مگر میں جا رہا ہوں، پھر اس کے بعد جہاں انجکشن لگا تھا، اس ہاتھ سے بغرض طہارت اسپرٹ کو دھونے کے لئے پانی منگوایا، اور باوجود اصرار کے خود ہی اپنے ہاتھ سے دھونا چاہا، دھو چکے تھے، اور ابھی ہاتھ سے پانی سوت رہے تھے، کہ حالت دفعتہً غیر ہو گئی، چت لیٹ گئے اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں، تجہیز و تکفین اور تدفین اسی شہر اورئی میں عمل میں آئی، ایک آئی سی ایس دوست کا بیان ہے، کہ ماشاء اللہ ان کی قبر پر نور سا برستا معلوم ہوتا ہے،

نہ مجذوب سا کوئی دنیا میں دیکھا
تمام جنون و تمام محبت

"س"

مطبوعاتِ جدیدہ

الدین القیم مصنفہ مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی (صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ) ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۲۲۴ صفحے، قیمت عار، پتہ :- دفتر الفرقان بریلی،

اس کتاب کی نسبت اختصار کے ساتھ یہ کہنا کافی ہے کہ مصنف نے اس میں صوفیانہ علم کلام کو پیش کیا ہے، اصل میں مولانا نے جامعہ عثمانیہ کے طالب علمون کے سامنے اس کو بطور املا، اور درس کے بیان کیا تھا، اوس کو بعض طالب علمون نے قلم بند کر لیا تھا، اب مولانا نے اسی تحریر کو افادۂ عام کی غرض سے اصلاح و ترمیم کے بعد ایک کتاب کی صورت مین مرتب کر دیا ہے، کتاب دو معنوی حصون پر منقسم ہے، پہلے حصہ مین اہلِ عقل و فلسفہ نے معمائے کائنات کے حل میں اپنے عجز کا جو اعتراف کیا ہے، اس کا بیان ہے، اور دوسرے حصہ میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود یا عقیدۂ قیومیت باری تعالیٰ کے ذریعہ سے اس معمہ کو حل فرمایا ہے، اور اسی کی راہ سے ذات و صفات و رسالت و نبوت و معجزات و خوارق مسئلہ خیر و شر و قضا و قدر و جبر و اختیار و تکلیفاتِ شرعیہ و جزا و سزا و مسئلہ شفاعت و نجات وغیرہ پورے علم کلام اور حقیقت زمانہ وغیرہ فلسفیانہ مسائل کو اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے، طرز ادا دلپذیر و موثر، سہل اور روان، توضیح مسائل مین ظاہر شرع کی بھی پوری رعایت رکھی گئی ہے، صرف دو باتون مین ہم ظاہر بینون کو تھوڑی کھٹک ہوئی، صوفیانہ العام یا نظریۂ تخلیق کنت کنزاً مخفیاً کو ان کا حدیث کہنا اور ولا الضالین کی ذوقی تفسیر جو نصوص کے خلاف ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے قلم کی شادابی و تازگی کو اور بڑھائے کہ وہ دلون کو تر و تازہ بناتا ہے، "س"

یورپ جنگ سے پہلے از جناب ہارون خانصاحب شروانی صدر شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ، ناشر ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن، حجم ۲۰۶ صفحے، قیمت عار،

مصنف نے ۱۹۳۸ء میں بین الاقوامی تاریخی کانگریس کے اجلاس سوئزرلینڈ میں شرکت کی تھی، اس سلسلہ مین انھون نے چار مہینے یورپ کے مختلف ملکون میں بسر کئے، اب اس سفر کا روزنامچہ عنوان بالا سے کتابی شکل میں شائع ہوا ہے، جس مین یورپ کے مختلف مشہور ملکون کے طرز زندگی و ہان کے مختلف احوال اور ذاتی تاثرات پیش کئے گئے ہین، نیز مختلف ملکون کے تاریخی آثار کے تاریخی معلومات اعتدال کے ساتھ لکھے گئے ہیں، آخر مین بین الاقوامی کانگریس کے اجلاس کی مفصل کاروائی، اوران خدمات کا ذکر آیا ہے، جو مصنف کے ہاتھون تاریخ ہند کے متعلق اس اجلاس میں انجام پائے ہین، نیز یورپ کے کتب خانون کی سیر کے سلسلہ مین عربی و فارسی کی بعض نادر تاریخی کتابون اور بعض دیگر نوادر کے دیکھنے کا تذکرہ کیا ہے، مجموعی حیثیت سے یورپ کے مشہور ملکون کے حالات اوران کے نوادر پر یہ پُر معلومات رسالہ ہے، اُمید ہے کہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا،

شمع فروزان مترجمہ جناب صادق الخیری ایم، اے، ناشر خاتون کتاب گھر، اردو بازار، دہلی، حجم ۱۰۳ صفحے، قیمت :- ۱۲؍

شمع فروزان امریکہ کی نوبل پرائز پانے والی شہرۂ آفاق مشرق نواز مصنفہ پرل بک کے ایک مختصر ناول کا کامیاب اردو ترجمہ ہے، اسکی مشہور تصنیف گڈ ارتھ کا ترجمہ اس سے پہلے اردو میں منتقل ہو چکا ہے، یہ مختصر ناول بھی اسی انداز میں ترتیب پایا ہے جس مین ایک طرف ایک مغرب زدہ چینی نوجوان کا کردار دکھایا گیا ہے، اور دوسری طرف ایک چینی گھرانے کے مشرقی طرز زندگی اور اس خاندان کی ایک تربیت یافتہ خاتون کے شریفانہ جذبات، ایثار و قربانی کی موثر داستان اثر انگیز انداز مین بیان کی گئی ہے، ترجمہ کی زبان صاف ستھری اور برجستہ ہے، "سما"

جلد ۵۴ ماہ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۴ء عدد ۵

مضامین

شذرات

علمائے ندوہ کی برادری مین یہ خبر بڑے افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی کہ ان کے سب سے پرانے رفیق اور دوست مولانا حافظ فضل رحمان صاحب ندوی امام و خطیب جامع مسجد خانقاہ مجددیہ سرہند نے چند ماہ کی علالت کے بعد بمرض استسقا بمقام مدرسۂ فرقانیہ لکھنؤ بتاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۴ء بروز جمعہ، بجکر ۳۰ منٹ شام کے وقت اس دنیائے فانی کو الوداع کہا، ان کی عمر غالباً ۶۵ برس کے اندر ہوگی، کیرانہ ضلع مظفر نگر ان کا اصلی وطن تھا، مگر بچپن سے وہ لکھنؤ آئے اور دار العلوم ندوہ مین داخل ہو کر متوسطات تک کی تعلیم پائی، اور فکر معاش کے مجبور ہو کر مدرسہ ہی مین صرف و نحو کی مدرسی کی خدمت قبول کر لی، وہ استاذنا جناب مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی مدرس اعلیٰ دار العلوم کے محبوب شاگردون مین تھے، صرف و نحو اور ریاضیات سے بڑی دلچسپی اور مہارت رکھتے تھے، انتظامی سلیقہ بھی اچھا تھا، جن لوگون کو مولانا شبلی مرحوم کے زمانہ کے ندوہ اور الندوہ سے تعلق رہا ہے ان کو مکتبۃ المعین کی بھی یاد ہوگی، مرحوم اس مکتبہ کے مہتمم اول تھے، لکھنؤ مین عربی کی مصری مطبوعات کی تجارت کا آغاز انہی نے کیا، اور اب موجودہ شبلی بک ڈپو اسی کی یادگار ہے،

مرحوم نے عین جوانی مین انابت الی اللہ کی توفیق پائی، اور مدرسہ کی نوکری چھوڑ کر مولانا عین القضاۃ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ